جولائی
2023ء

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ (القرآن:54)

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 17 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | ذوالحجہ : 1444ھ
شمارہ : 07 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) | جولائی : 2023ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

بانی مدیر : انجینئر مختار فاروقیؒ

مدیر مسئول : انجینئر عبداللہ اسماعیل

مشاورت
- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- حاجی محمد منظور انور
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- عبداللہ ابراہیم

مدیر معاون و نگران طباعت : مفتی عطاء الرحمٰن

انتظامی امور : ملک نذر حسین

قانونی مشاورت
- محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ
- چودھری خالد اثیر ایڈووکیٹ

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 700 روپے | معمول کا شمارہ: 70 روپے

اہلِ ثروت حضرات سے خصوصی زرِتعاون پچیس ہزار روپے یکمشت

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

انجینئر مختار فاروقی

طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		6
حرفِ آرزو	3	انجینئر عبداللہ اسماعیل	7
قرآن کریم کا ترجمہ و مختصر تشریح	4	انجینئر مختار فاروقیؒ	10
تین یقینی باتیں اور چار طرح کے لوگ	5	حافظ عطاء الرحمٰن	24
فریضۂ حج اور عید الاضحیٰ	6	مولانا محمد انور چیمہ	33
سائنس اور مذہب میں مقاربت و مغایرت (8)	7	انجینئر فیضان حسن	37
قصۂ قدیم و جدید (1)	8	ڈاکٹر محمد رشید ارشد	43
پاکستان میں نفاذ اسلام سے اعراض.....	9	محمد منظور انور	54
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ﷺ است	10	عبداللہ ابراہیم	61
مع الصادقین (سچے لوگوں کے ساتھ)	11		64

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اردو ترجمہ : فتح محمد خان جالندھری

انگریزی ترجمہ : ڈاکٹر عبدالسمیع حفظہ اللہ

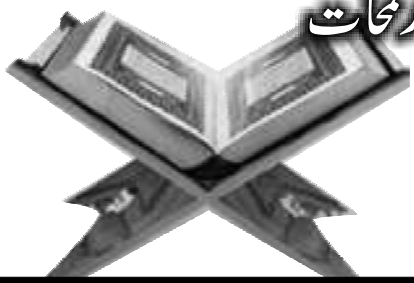

(02)	اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ	آیات
سورۃ البقرۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	239-236

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو

There is no blame on you, if you divorce women,

مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً

ان کے پاس جانے سے پہلے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے

Even before you have touched them,

Or you have fixed the dowry for them.

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ

اور ان کو کچھ خرچ ضرور دو

Pay them something anyhow.

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ

(یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق

It is due upon the wealthy according to his means;

and so is it due upon the poor according to his capacity,

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

دستور کے مطابق، نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے

As a fair provision. due upon nice people

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو

And if you divorce them before you have touched them,

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا

While you have fixed dowry for them

Then half of what, you have fixed is payable

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

ہاں اگر عورتیں مہر بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے

(اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دے دیں تو ان کو اختیار ہے)

Except if women remit it; Or one, in whose hands

is the marriage tie, agrees to forgo

(his half and makes the full payment).

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

اور تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے

If you forgo (O men) it will be closer to Taqwa (God fearing).

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ

اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا

And don't forget high rank among you (bestowed by Allah)

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے

Indeed Allah is Watchful to: whatever you do.

حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى

(مسلمانو!) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو

Guard the prayers (obligatory 5 times),

Especially the middle one.

وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ﴿۲۳۸﴾

اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو

And stand up before Allah with true obedience.

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا

اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو)

But if you are in danger pray while walking or riding

فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ

پھر جب امن (واطمینان) ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جس طریق سے اللہ نے تم کو سکھایا ہے

But, when you are safe Remember Allah (i.e. offer prayer),

the way He has taught you:

مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۹﴾

جو تم پہلے نہیں جانتے تھے

Which you could never know otherwise.

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

یَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِیْ، مَالِیْ

بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال

(یعنی فخر سے کہتا ہے کہ یہ مال بھی میرا ہے اور یہ مال بھی میرا ہے)

وَ اِنَّ مَا لَہٗ مِنْ مَالِہٖ ثَلَاثٌ:

حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ تین طرح کا ہے

مَا اَکَلَ فَاَفْنٰی

وہ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا

أَوْ لَبِسَ فَأَبْلٰی

یا وہ جو اُس نے پہن کر بوسیدہ کر دیا

أَوْ أَعْطٰی فَاقْتَنٰی

یا وہ جو اس نے (رضائے الٰہی کی خاطر) کسی کو دے کر (آخرت کا) ذخیرہ بنا دیا

وَمَا سِوٰی ذَالِكَ فَھُوَ ذَاھِبٌ وَتَارِکُہٗ لِلنَّاسِ

ان کے سوا جو کچھ بھی ہے، بندہ خود تو چلا جاتا ہے اور اس کو لوگوں کے لیے چھوڑ جاتا ہے

(مسلم، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

کیا ہم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے وفاداری کے تمام مواقع ضائع کر دیے؟

انجینئر عبداللہ اسماعیل

مملکت خداداد پاکستان دنیا کا وہ واحد خطہ سرزمین ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کلمہ طیبہ کے نام پر مانگا گیا اور جواباً اس ذات بابرکات کی جانب سے 27 رمضان المبارک کو گمان غالب کے مطابق شب قدر میں عطا ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس احسان عظیم کے شکرانے کا تقاضا تھا کہ مسلمانانِ پاکستان اس مملکت خداداد میں اس ربّ سے وفاداری اختیار کرتے اور دین اسلام کامل شکل میں یہاں نافذ ہوتا۔ لیکن ـــــ حقیقت یہ ہے کہ اس خطے میں مسلمانوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بے وفائی کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیا (اِلا ماشاءاللہ) اور اس جرم میں مسلمانوں کا ہر طبقہ شریک ہے۔ آغاز میں تحریک پاکستان کے بہاؤ میں قرارداد مقاصد اور علماء کے 22 نکات کے بعد معاملہ مسلسل پسپائی کا ہی رہا ہے۔ اعلیٰ مقتدر قوتوں سے لے کر عوام الناس تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بے وفائی ہی بے وفائی ہے۔

- **عوام** نے ایک الگ ملک میں آزادی حاصل کرنے کے بعد نفاذِ دین کی طرف کچھ پیش قدمی نہیں کی۔ بھرپور موقع تھا کہ غیر مسلم حکمرانوں کی غلامی سے نجات کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کامل غلامی کو اختیار کیا جاتا مگر وفاداری کا یہ موقع ضائع کر دیا گیا۔
- **سیاسی جماعتوں** بالخصوص مسلم لیگ جس کے جھنڈے تلے یہ ملک حاصل کیا گیا

تھا ـــــ نے آزادی کی اس جدوجہد میں کامیابی کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے وفاداری کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھایا۔

- **دینی طبقات** ـــــ بشمول وہ جنہوں نے آزادی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا یا آزادی کے بعد پاکستان کی طرف ہجرت اختیار کی یا یہیں رہنا پسند کیا ـــــ نے آزادی کے بعد دین کے نفاذ کو اپنی جدوجہد کا مرکز نہ بنایا۔ جمہوریت کے لیے قربانیاں دیں مگر دین کے لیے باہر نکلنے پر تیار نہ ہوئے اور بے وفائی کے مرتکب ہوئے۔
- **علماء وخطباء** جن کی ذمہ داری عوام الناس کی دینی تربیت تھی ـــــ اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں ناکام رہے۔
- اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک کی **عدلیہ** جس نے بے شمار مواقع پر سوموٹو ایکشن لیا مگر اس معاملے میں خاموش رہی۔ خاص کر ایک عدالتی فیصلے میں قرارداد مقاصد کو آئین کے بقیہ دفعات کے مساوی قرار دیا اور اللہ سے وفاداری کے امتحان میں ناکام ہوئی۔
- **وکلاء** جنہوں نے بارہا اپنے حقوق کے لیے عدالتی چال کا بائیکاٹ کیا مگر انگریزی قوانین کے خلاف ایک دن بھی ہڑتال نہ کی۔
- **ممبرانِ صوبائی وقومی اسمبلی وایوان بالا** کہ جن کے ذمے اسلامی قوانین کی ترویج اور نفاذ تھا ـــــ نے غیر اسلامی قوانین منظور کیے اور اللہ سے بے وفائی میں اپنا حصہ ڈالا۔
- **سول بیوروکریسی** کہ جسے امانت، دیانت، صداقت اور شرافت کے اصولوں پر زندگی گزارنی تھی، خیانت، بددیانتی، جھوٹ اور رشوت کے راستے پر چل پڑی اور جفا کی مرتکب ہوئی۔
- **فوج** کہ جس کا ماٹو ہی جہاد فی سبیل اللہ تھا ـــــ کئی بار اقتدار میں آئی، اقتدار کے مزے لوٹے، بہت سی اصلاحات کیں، قانون بنائے اور پھر بیرکوں میں واپس چلی گئی لیکن اللہ کی راہ میں آگے نہ بڑھ سکی۔
- **تعلیمی ادارے اور اساتذہ** کہ جن کا کام آنے والی نسل کی تربیت تھی 75 سال گزر جانے کے باوجود ایک ایسی نسل تیار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے جو دین کا کام کر سکے۔

- **صحافت** کہ جس کا کام حق کو حق اور باطل کو باطل دکھانا تھا اس معاملے میں کوتاہی کرنے والے عناصر کی آ گاہی نہ دے سکے۔
- **الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا** کہ عوام الناس اندھادھند اس کی پیروی میں لگے ہوئے تھے، اس نے بھی اس نیک مقصد میں اپنا حصہ نہ ڈالا۔

اس پر مستزاد یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں بار بار سیلاب، زلزلے، وباؤں، سمندری طوفان اور نہ جانے کس کس انداز سے جھنجھوڑا، مگر من حیث القوم، ہماری توجہ توبہ کی طرف نہ ہوسکی۔ اور ہمارا حال اس آیت کے مطابق ہوگیا کہ

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَايَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلاً ..... (الاعراف:146)

''اور اگر یہ سیدھا راستہ دیکھیں تو اسے اختیار نہ کریں''۔

الغرض ـــــ ہم مسلمانانِ پاکستان نے اب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے وفاداری کے تمام مواقع ضائع کیے ہیں اور اس جرم میں سب ہی برابر کے شریک ہیں۔ ابھی کتنی مہلت باقی ہے؟ یہ اسی عالم الغیب ہی کے علم میں ہے۔ مہلت ختم ہونے پر واپسی کا راستہ بند ہوجائے گا۔ آئیں اس مہلت کے خاتمے سے پہلے ہم سب مل کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور عملاً اس سے وفاداری کا حق ادا کرنے والے بن جائیں ـــــ ایسا نہ ہو کہ دیر ہوجائے۔

اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

دورۂ ترجمۃ القرآن

قرآن کریم کا ترجمہ ومختصر تشریح

مدرس: انجینئر مختار فاروقیؒ

آیات 243 تا 248

یہاں سے ایک دوسرا مضمون شروع ہورہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی یہ بات سامنے آئی تھی کہ اس سورت کے اٹھارھویں رکوع سے لے کر اختتام تک یہ جو بائیس رکوع ہیں ان میں احکامِ شریعت اور احکامِ جہاد کا ذکر بار بار آئے گا۔ پھر شریعت کے دو حصے ہیں: عبادات اور معاملات، پھر جہاد کی بھی دو قسمیں ہیں: جہاد بالمال اور جہاد بالنفس۔ ان چار موضوعات کا ذکر ساتھ ساتھ چلتا جارہا ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ میں سے ایک جنگ کے واقعہ کا ذکر کیا جارہا ہے اور اس سے مقصود دراصل اہل ایمان کو یہ سنانا اور اس کے لیے ان کا MORAL BUILD UP کرنا ہے کہ اے مسلمانو! اب تمہارے لیے بھی ایک ایسا ہی مرحلہ آیا چاہتا ہے یعنی جنگ بدر کا۔ اس کے لیے تمہیں ذہناً تیار رہنا چاہیے کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کی کفار کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مڈبھیڑ ہوگی۔ اور یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ میں سے جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے واقعتاً وہ جنگ بدر کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے چھ لاکھ افراد کو فرعون کی غلامی سے لے کر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے پے در پے معجزات ان کو دکھلائے، اللہ کی طرف سے ان کی ضرورتیں پوری ہوئیں۔ من وسلویٰ کا اُترنا، چشموں کا جاری ہونا، بادلوں کا سایہ کرنا وغیرہ لیکن جس قوم میں غلامی کے اثرات ہوتے ہیں وہ دیر تک رہتے ہیں۔ اس کی وجہ واضح

ہے کہ جو قوم غلام ہوتی عموماً اس کی اجتہاد کی صلاحیتیں اور سوچنے، غور وفکر کرنے کی صلاحیتیں استعمال ہی نہیں ہوتیں، RULING اور فیصلے تو حکمران طبقہ کر رہا ہوتا ہے ان کو صرف تن خواہ مل رہی ہوتی ہے اور وہ ڈھور ڈنگر کے طریقے پر کھار ہے اور گزارا کر رہے ہوتے ہیں۔ جب اُس قوم کو غلامی سے آزادی ملی اور خود سارے معاملات سوچنے پڑے اور آگے بڑھ کر جہاد اور قتال اور پھر کسی زبردست قوم کا مقابلہ کرنا پڑا تو اب ان کے لیے مسائل پیدا ہو گئے۔ جیسے ہم، پون صدی ہوگئی ہے کہ ہم نے انگریزوں سے آزادی حاصل کر لی لیکن ابھی تک ذہنی طور پر ہم انہی کے غلام ہیں۔ لباس وہی ہے زبان وہی ہے شاید انگریزی سکول انگریز کے دور میں اتنے نہیں تھے جتنے اب ہو گئے ہیں۔ وہ بدیسی حکمران تھے اور پون صدی ہوگئی وہ چلے بھی گئے آج ہم نے ان کی زبان کو پہلی کلاس سے نافذ کر دیا۔ تو یہ غلامی کے اثرات رہتے ہیں۔ یہی ان کے ہاں بھی تھے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ان کو حکم ملا کہ یہ آگے فلسطین کا علاقہ ہے یہاں ایک قوم بستی ہے تم اس کے ساتھ جہاد کرو، اللہ تعالیٰ وعدہ فرما رہا ہے کہ تمہیں فتح ہوگی۔ لیکن اس قوم نے بزدلی دکھائی اور یہ کہا کہ اے موسیٰ! آپ جائیے اور آپ کا رب جائیں اور جا کر جہاد کریں جب فتح ہو جائے تو ہمیں بلا لیں، ہم جہاد کرنے والے نہیں ہیں، اتنی بڑی جبار قوم اور جنگجو قوم سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی کہ وہ صحرائے تیہ میں چالیس سال تک صحرانوردی کرتے رہے۔ پھر وہ نسل جس نے غلامی میں آنکھ کھولی تھی وہ ساری کی ساری مرکھپ گئی یا بوڑھے ہو کر غیر فعال ہوگئی اور نئی نسل جس نے صحرانوردی کے زمانے میں آنکھ کھولی تھی وہ پل بڑھ کر جب جوان ہوئی تو اس میں آزادی کی فضا میں سانس لینے کی وجہ سے نیا ولولہ نیا جذبہ نیا خون تھا۔ اس نسل نے پھر جہاد کیا۔ جیسے علامہ اقبال نے بھی کہا ہے:

؎ فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

اس چالیس سالہ صحرانوردی کے دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا، پھر بعد میں حضرت یوشع بن نون کو نبوت ملی، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُس سفر کے ساتھی تھے جس کا ذکر سورۂ کہف میں آیا ہے۔ ان کی قیادت میں انہوں نے جہاد کیا اور پھر اللہ نے

بنی اسرائیل کو اس علاقے میں غلبہ عطا فرمایا۔لیکن بنی اسرائیل نے یہ غلطی کی کہ ان کے بارہ قبیلے تھے (اور صاف ظاہر ہے قبائلی عصبیت بڑی مشکل سے جاتی ہے) انہوں نے مرکزی سلطنت قائم نہیں کی بلکہ بارہ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم کرلیں۔اس کے نتیجے میں وہ آپس میں بھی لڑتے رہتے تھے، جس کی نفری زیادہ تھی وہ چھوٹے قبیلے پر چڑھ دوڑتا تھا، اور دشمن بھی ان کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔ ہوتا ایسے ہی ہے کہ دشمن نے کسی ایک قبیلے کی دوسرے کے خلاف مدد کی، اس کو نیچا دکھایا، اس کے علاقے پر قبضہ کرلیا پھر دوسرے قبیلے کے علاقہ پر پھر تیسرے کے۔ اسی طرح وہ غلبہ حاصل کرتے چلے گئے یہاں تک کہ ان میں سے کئی قبیلے ملک بدر ہوگئے ان کو اپنا علاقہ چھوڑ کر جانا پڑا۔اس رکوع کی پہلی آیت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے کہ ان کے ہزاروں لوگ اپنا وطن چھوڑ کر چلے گئے وہاں جا کر اللہ نے ان پر موت طاری کردی۔ یہ physical موت بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ نے ان کو مار دیا پھر کچھ عرصے کے بعد زندہ کردیا۔لیکن ایک رائے یہ ہے کہ یہ ان کی اخلاقی موت تھی یعنی غلامی میں رہتے ہوئے اور بعد میں آپس کی خانہ جنگی کے نتیجے میں ان میں اعلیٰ کردار، اعلیٰ اخلاق اور دنیا کی امامت کے فرائض ادا کرنے کے لیے جو صلاحیتیں درکار تھیں وہ ان میں ختم ہوچکی تھیں، اخلاقی اعتبار سے وہ قوم مردہ ہوچکی تھی۔ پھر ان میں اللہ نے ایک نبی حضرت سموئیل علیہ السلام بھیجے انہوں نے دعوت و اصلاح کا کام کیا، اللہ کی طرف بلایا، اس کے نتیجے میں اس قوم میں دوبارہ جذبہ پیدا ہوا اور جہاد کرنے کے لیے تیار ہوگئے تو اس قوم نے پھر جہاد کیا ہے۔ یہاں اس جہاد کا ذکر ہے جو جنگ بدر کے مشابہ ہے۔حضرت سموئیل چونکہ بوڑھے ہوچکے تھے؛ قوم کے افراد نے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے لیے کسی اور کو سپہ سالار مقرر کردیجیے۔ جو مطالبہ کرنے والے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ جو ہمارے بڑے بڑے چودھری ہیں ان میں سے کسی کو یہ بنادیں گے۔حضرت سموئیل بنی اسرائیل کا مزاج جانتے تھے؛ انھوں نے اوّلاً تو کہا کہ ابھی جہاد فرض نہیں ہے تو تم کیوں کہتے ہو کہ ہم جہاد کریں گے؟ مجھے ڈر ہے کہ جب جہاد فرض ہوجائے گا تو تم جہاد نہیں کروگے۔انہوں نے کہا کیا وجہ ہے کہ ہم جہاد نہ کریں، ہمیں گھروں سے نکال دیا گیا ہے ہم در بدر ہوئے ہوئے ہیں ہم کتنی مشکل صورت حال میں ہیں تو کیوں جہاد نہیں کریں گے۔ پھر حضرت سموئیل نے اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں حضرت طالوت کو ان کا سپہ سالار مقرر

کر دیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم میں سے کسی با حیثیت آدمی کو مقرر کریں گے کہ مال ہمارے پاس زیادہ ہے حیثیت ہماری زیادہ ہے۔ اس لیے انھوں نے کہا آپ نے ان کو کیسے مقرر کر دیا حالانکہ ان کے پاس نہ پیسہ ہے نہ حیثیت ہے۔ حضرت سموئیل نے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور سپہ سالاری کے لیے جس علم اور جسمانی قوت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو زیادہ دی ہے۔ تم اس کی اطاعت کرو۔ اور انھوں نے بتایا کہ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے، کہ یہ واقعتاً تمہارے لیے صحیح انتخاب ہے، کہ ان کی قیادت میں تابوتِ سکینہ تمہارے پاس واپس آ جائے گا۔ ان کا ایک بڑا سارا صندوق تھا جس میں ان کے تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور تورات کی وہ الواح (تختیاں) جن پر احکام تحریر شدہ تھے جو اللہ نے حضرت موسیٰ کو طور پر دی تھیں وہ بھی اسی صندوق میں تھیں اور تبرکات بھی تھے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے متعلق چیزیں اسی صندوق میں تھیں اور وہ جہاں کہیں پڑاؤ ڈالتے تھے اس صندوق کو ایک خیمے میں رکھتے تھے اور اس خیمہ کو قبلہ رُخ رکھتے تھے اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن جب ان کا انارکی کا دور آیا اور دشمنوں نے ان کو حکومتوں سے مار بھگایا تو وہ تابوتِ سکینہ بھی دشمن ساتھ لے گئے۔ حضرت سموئیل نے یہ کہا کہ یہ طالوت اللہ کی طرف سے تمہارے سپہ سالار مقرر ہوئے ہیں اور ان کی قیادت کی نشانی یہ ہے کہ جب تم ان کی قیادت میں منظّم ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ وہ تابوتِ سکینہ تمہیں واپس لوٹا دے گا۔ اور ایسے ہی ہوا۔ جو دشمن یہ تابوت لے کر گئے تھے تھوڑے عرصہ بعد ان کی صورت حال ایسے ہوئی کہ جہاں بھی وہ تابوت جاتا تھا وہاں کوئی نہ کوئی وبا پھوٹ پڑتی تھی کوئی مصیبت ہی آتی تھی انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے سوچا کہ ہو نہ ہو یہ سب اس تابوت کی وجہ سے ہو رہا ہے لہٰذا انہوں نے ایک بیل گاڑی لی اور اس پر وہ صندوق رکھ کر اس کو ہانک دیا کہ یہ جدھر بھی جاتا ہے ہماری طرف سے چلا جائے ہماری جان کسی طرح چھوٹے۔ وہ بیل گاڑی چلتے چلتے بنی اسرائیل کے اس علاقہ میں آ گئی جہاں حضرت سموئیل اور حضرت طالوت تھے۔ گویا کہ حضرت طالوت کو جو اُن کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا اللہ کی طرف سے اس کی ایک توثیق ہو گئی کہ جو پہلی نشانی مقرر کی گئی تھی وہ تو پوری ہو گئی ہے۔ قوم میں بھی ایک جذبہ پیدا ہو گیا کہ اب ہمیں ہمت کرنی چاہیے اور ان کی قیادت میں جنگ کرنی چاہیے۔ یہ واقعہ

ہے جو اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے سنانے کا مقصد یہی ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی تیار ہو جاؤ، تمہارا قبلہ دشمن کے قبضے میں ہے اور تمہیں اس کو آزاد کروانا ہے۔ یہ آیتیں جنگ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اس کے فوراً بعد جنگ بدر ہے تو یہ ان کو پہلے سے تیار اور آمادہ کیا جا رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (اے نبی ﷺ!) کیا آپ نے غور کیا یا دیکھا ان لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکلے تھے

وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ اس حال میں کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، وہ موت کے ڈر سے بھاگے تھے

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا تو اللہ نے ان سے کہا: تم مر جاؤ

یہ فزیکل موت بھی ہو سکتی ہے اور اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ کسی کو مار دے اور پھر اس کو دوبارہ زندہ کر دے۔ اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کے ساتھ دو مرتبہ ایسے ہو چکا تھا کہ ان کے ایک گروہ کو اللہ نے موت دے دی پھر زندگی دے دی۔ لیکن دوسری رائے یہ بھی ہے کہ یہ موت اخلاقی موت تھی کردار کی موت تھی اخلاقی گراوٹ تھی جو ان میں آ گئی تھی اس کو اللہ نے اس سے تعبیر کیا ہے۔ بہرحال جو بھی صورت حال ہوئی

ثُمَّ اَحْيَاهُمْ پھر اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا

یا ان کے اندر حضرت سموئیل کی دعوت سے اور ان کی تعلیمات کے نتیجے میں بیداری پیدا ہو گئی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ بے شک اللہ تو لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ لیکن اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے

اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے نہیں ہیں۔

اب اگلی آیت میں اہل ایمان کو بھی جگایا جا رہا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا جو واقعہ یہاں سنایا جا رہا ہے اس کے درمیان میں اہل ایمان کے لیے بھی حکم ہے

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں لڑو

ایسی بزدلی مت دکھاؤ جیسے بنی اسرائیل سے ہوئی تھی کہ اللہ نے ان پر پھر موت طاری

کردی پھر دوبارہ ان کو زندگی عطا کی۔تمہارا معاملہ ایسا نہیں ہونا چاہیے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ اور جان رکھو بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کون ہے وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دے

یعنی اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے مال خرچ کرے۔اس کی زیادہ تفصیل آگے دو رکوعوں میں سامنے آجائے گی۔البتہ جہاد میں دو چیزیں لازماً درکار ہوتی ہیں: ایک وسائل درکار ہیں پیسہ اور فنڈز درکار ہیں اور دوسرے افرادی قوت (MAN POWER) درکار ہے، انسان ہوں گے تو وہ جہاد کریں گے۔تو اس کے لیے فرمایا یہ جو وسائل درکار ہیں یہ اہل ایمان ہی نے PROVIDE کرنے ہیں وہ ہی اس کے لیے ایثار کریں گے، قربانی کریں گے، BELT TIGHT کریں گے (کمر بستہ ہوں گے)، اپنی خواہشات کا خون کریں گے اور پیسہ جمع کر کے لائیں گے تو یہ کام ہو سکے گا۔تو اللہ نے فرمایا جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے یوں پیسہ خرچ کرے گا وہ میرے ذمے قرض ہے تو کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً تو اللہ اس کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا کر کے اس کو واپس دے گا

وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ اور اللہ تعالیٰ تنگی بھی کرتا ہے اور کشائش بھی کرتا ہے

سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔یہ مت سوچو کہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں گے تو تنگی آجائے گی اور نہیں کریں گے تو کشادگی کشادگی رہے گی۔یہ اختیار اللہ کا ہے۔تمہارے فیصلے سے یہ تنگی اور کشادگی نہیں آتی۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اور اسی اللہ کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

آگے پھر بنی اسرائیل کا واقعہ ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى کیا آپ نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تھی

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ جب انہوں نے اپنے نبی سے یہ عرض کی کہ

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہمارے لیے ایک بادشاہ (سپہ سالار) مقرر

کر دیجیے تا کہ ہم قتال فی سبیل اللہ کریں

ہمارے آباء واجداد نے جہاد نہیں کیا تھا ہماری عزت پر وہ کلنک کا ٹیکہ ابھی چلا آ رہا ہے تو ہم وہ الزام دھونا چاہتے ہیں ایک سپہ سالار مقرر کیجیے تا کہ اس کی سرکردگی میں ہم جہاد کریں۔

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا پیغمبر نے فرمایا کہ تم سے یہ توقع ہے کہ اگر قتال کا حکم آ گیا تو تم پھر قتال نہیں کرو گے

قرآن مجید میں ان پیغمبر کا نام نہیں ہے تورات میں ان کا نام سموئیل ہے۔ پیغمبر کا یوں کہنا اس لیے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حقیقت کا اظہار ہو اور اس لیے بھی ہوسکتا ہے کہ ذرا کھود کرید کر کے دیکھیں کہ ان کے جذبات ہیں کیا، یہ اوپر اوپر سے کہہ رہے ہیں یا دل سے کہہ رہے ہیں۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ انہوں نے کہا ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں قتال نہیں کریں گے

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں اور ہمارے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے

عرصہ ہو گیا ہے ہم گھروں سے نکلے ہوئے ہیں جہاں ہماری کبھی حکومتیں ہوتی تھیں وہاں سے ہم در بدر ہوئے ہوئے ہیں اور اپنے بیٹوں اور گھر والوں سے دور ہیں

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ پھر جب اللہ کی طرف سے ان پر قتال فرض کر دیا گیا

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ تو انھوں نے روگردانی کر لی مگر ان میں سے تھوڑے لوگوں نے

تھوڑے لوگ تھے جو اس پر کاربند رہے یعنی جو بنی اسرائیل کی روایت تھی اس کے مطابق اکثریت اس سے منہ موڑ گئی، تھوڑے سے لوگ ثابت قدم رہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں سے خوب باخبر ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے

ہاں بھئی اب قتال فرض ہو گیا ہے اب سپہ سالار مقرر کرنا ضروری ہے تو

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے

اب ان کے دل میں جو بات تھی وہ سامنے آ گئی کہ

قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا انھوں نے کہا کہ یہ طالوت ہم پر کیسے حکومت کرسکتا ہے

وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ ہم زیادہ مستحق ہیں حکومت کے اس کے مقابلے میں

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ اس کی کوئی مالی حیثیت نہیں ہے

آپ نے اس کو ہمارا سپہ سالار اور بادشاہ بنادیا ہے

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ پیغمبرؑ نے فرمایا: اللہ نے ان کو منتخب کیا ہے تمہارے اوپر

یہ میرا فیصلہ نہیں ہے، اللہ نے ان کو پسند کیا ہے۔

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ اور اللہ نے انہیں جسمانی قوت اور علم وافر عطا فرمایا ہے

یہ دو چیزیں بہرحال جنگ کے لیے ضروری ہیں اور وہ اللہ نے ان کو عطا فرمادی ہیں۔ اللہ سے بہتر کسی کی صلاحیتوں سے کون واقف ہوسکتا ہے۔ مزید براں

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ اور اللہ جسے چاہتا ہے ملک عطا فرمادیتا ہے

اقتدار عطا فرمادیتا ہے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ اور اللہ بہت وسعت والا ہے اور جاننے والا ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اور فرمایا بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے

کہ طالوت اللہ ہی کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ ان کی بادشاہت کی نشانی یہ ہوگی

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کہ تمہارے پاس آجائے گا وہ صندوق جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکون کا سامان ہے

وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ اور اس میں وہ کچھ یادگاریں ہیں جو آل موسیٰ اور آل ہارون نے چھوڑی تھیں

ان کو تین سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ان کی وہ یادگاریں ان کے پاس محفوظ تھیں جن کو وہ متبرک سمجھتے تھے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی بادشاہی مسجد میں کچھ تبرکات رکھے ہوئے ہیں (ان میں کیا حقیقت ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے) لیکن بہرحال لوگ ان کی عزت تو کرتے ہیں۔ اسی

طرح ان کے ہاں بھی تھا تو اُن نبی نے یہ فرمایا کہ ان کی حکومت اور اقتدار کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ تبرکات والا صندوقِ سکینہ واپس آ جائے گا۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے اس کو اٹھا کر لائیں گے

یعنی یہ تمہاری کسی جدوجہد، جنگ اور قتال، کسی چڑھائی کے نتیجے میں واپس نہیں آئے گا بلکہ از خود آ جائے گا بغیر کسی اسباب کے آ جائے گا گویا کہ فرشتے اس کو اٹھا کر لائیں گے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

آیات 249 تا 252

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر

درمیان میں فاصلہ بھی ہوسکتا ہے جیسے یہاں صندوق کا ذکر نہیں ہے، صرف اتنا کہا ہے کہ آ جائے گا۔ تورات میں ہے کہ وہ واقعتاً آ گیا۔ جب طالوت اپنی فوجوں کو لے کر دشمن کے مقابلے میں نکلے ہیں تو پھر درمیان میں ایک دریا پڑتا تھا،

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ ایک دریا کے ذریعے تمہاری آزمائش کرے گا

یعنی جس راستے پر ہم جا رہے ہیں اس میں تمہاری آزمائش کے لیے ایک دریا آئے گا۔ وہ دریا کون سا ہے؟ یہ Jordan River ہے، اسی کو عبور کر کے وہ مشرق کی طرف آئے تھے۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ جو اس میں سے پانی پی لے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے

اب اپنے ان لوگوں کا مورال جاننے کے لیے حضرت طالوت نے ان سے یہ کہا کہ اگرچہ ہم لمبا سفر کر کے آ رہے ہیں اور آگے دریا آ رہا ہے تو میرا حکم یہ ہے کہ اس دریا میں سے کوئی شخص پانی نہیں پیئے گا۔ صاف ظاہر ہے ہم نے دریا کو عبور کرنا ہے پیدل بھی عبور کرنا ہوگا یا سواریوں پر یا کشتیوں پر بس کوئی شخص اس میں سے پانی نہیں پیئے گا۔ جو پانی پی لے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ اور جونہیں پیئے گا اس کا میرے ساتھ تعلق ہوگا

وہ میری قیادت میں رہے گا میں اس کی آگے سپہ سالاری کرنے کو تیار ہوں۔

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ہاں جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لے

یعنی ایک آدھ چلو تھوڑی سی تراوٹ حاصل کرنے کے لیے کوئی ایک آدھ گھونٹ منہ میں ڈال لے تو ڈال لے۔ پیٹ بھر کر پینے کی اجازت نہیں ہے جو ایسا کرے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ تو سب نے خوب پانی پیا سوائے تھوڑے سے لوگوں کے

یعنی بنی اسرائیل میں سے بہت سارے تو وہ تھے جو جہاد کے لیے تیار ہی نہیں ہوئے تھے پھر جو تیار ہوئے تھے کہ ہم جہاد کرتے ہیں اُن میں سے اکثر اس ٹیسٹ میں پاس نہیں ہوئے بہت ساروں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پیا اور صاف ظاہر ہے کہ آدمی لمبا سفر کرے اور پھر دھوپ میں سفر کر رہا ہو پھر پیٹ بھر کر پانی پی لے تو آدمی تو لیٹ جاتا ہے کسی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا جیسے روزہ افطار کر کے کوئی آدمی پانچ چھ گلاس اکٹھے پی لے تو پھر اس کے بعد تراویح پڑھنے کے قابل نہیں رہتا، کوئی محنت کا کام نہیں کر سکتا۔ وہ لوگ بھی اسی طرح ہمت ہار گئے کہ اب ہم میں تو آگے جانے کی سکت نہیں ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ پھر جب طالوت اور جو اُن کے ساتھ اہل ایمان تھے وہ دریا کو عبور کر کے آگے بڑھے

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ انہوں نے کہا آج ہمارے اندر تو طاقت نہیں ہے کہ جالوت اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کریں

ادھر طالوت تھے اور ان کے مقابلے میں اُدھر دشمن کا سپہ سالار جالوت تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارے اندر تو جالوت سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے ایک تو یہ، وہ زرہ پوش تھا اس نے پورا لوہے کا لباس پہنا ہوا تھا سوائے اس کی دو آنکھوں کے جو تھوڑی سی نظر آ رہی تھیں اور تھا بھی بڑا قوی ہیکل دوسرے اس کی فوج بہت زیادہ ہے۔ تو اکثر ہمت ہار گئے اور کہا کہ ہمارے اندر تو اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس دریا کا پانی

نہیں پیا تھا اور اپنے سپہ سالار کا کہنا مانا تھا ان کے اندر حوصلہ تھا جرأت تھی مورال تھا

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ کہا ان لوگوں نے جن کو یہ خیال تھا کہ ایک دن اللہ سے ملاقات کرنی ہے

جن لوگوں کو اللہ کے سامنے پیشی کا احساس تھا ان کی زبان پر یہ الفاظ آئے کہ ہم تو ان سے جنگ کرنے کو تیار ہیں آپ ہمیں حکم دیں ہم نہتے بھی اور تھوڑی تعداد میں بھی دشمن سے لڑنے کو تیار ہیں اس لیے کہ

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہو چکا ہے کہ تھوڑے لوگ اللہ کے حکم سے زیادہ لوگوں پر غالب آ گئے

یہ پہلے بھی ہوا ہے تو اب بھی ایسا ایک اور نمونہ ہو سکتا ہے۔ ہم تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن ہم اپنی تعداد سے زیادہ دشمنوں سے ٹکر جانے کو تیار ہیں۔ آپ کے حکم کا انتظار ہے آپ حکم کریں ہم ابھی ٹکرا جائیں گے۔

وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

ہم صبر کر رہے ہیں ثابت قدم ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے وہ ہماری پشت پناہی کرے گا مدد کرے گا ہمیں فتح دے گا۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو وہ اہل ایمان جو ثابت قدم رہے تھے

قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا انہوں نے دعا کی: اے ہمارے رب! انڈیل دے ہم پر صبر

اَفْرِغْ کے معنی ہیں تو انڈیل دے۔ ایک ہوتا ہے تھوڑا سا صبر دینا، ایک ہے کہ وافر مقدار میں صبر عطا فرما یعنی یہ جو دشمن کے ساتھ مقابلہ ہے کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے اور دشمن بہت زیادہ تعداد میں ہے یہاں بہت زیادہ صبر چاہیے۔ جب تک آدمی صبر نہیں کرے گا اور برداشت نہیں کرے گا اور جب تک جنون کی کیفیت کے ساتھ دشمن سے نہیں لڑے گا اس وقت تک کامیابی بظاہر احوال مشکل ہے لہٰذا اے اللہ تو ہمیں خوب صبر عطا فرما۔ فارسی زبان کا یہ شعر وہ کیفیت ادا کرنے والا ہے کہ

؎ در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست در آں
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

(لیلیٰ کے گھر کے راستے میں کہ جو خطروں سے بھرا ہوا ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جاؤ)

یہ صورت حال ایسی ہے کہ آدمی عقل سے کام لے گا تو دشمن کی اتنی بڑی تعداد کا مقابلہ کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوگا لیکن اے اللہ تو اگر ہمیں صبر عطا فرمائے اور وافر مقدار میں صبر عطا فرمائے تو آپ کی پشت پناہی میں ہم اس بڑے دشمن کے ساتھ لڑنے کو تیار ہیں یعنی ہم مجنون بننے کو تیار ہیں تاکہ اس دشمن سے بھی لڑ جائیں۔

وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا اور اے اللہ آپ ہی ہمارے قدموں کو ثابت رکھیے

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ اور آپ ہی ہماری مدد فرمائیے کافروں کے مقابلے میں

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ پھر اہل ایمان نے اللہ کے حکم سے ان کو شکست دے دی

ان تھوڑے سے اہل ایمان نے جالوت کے بہت بڑے لشکر کو شکست دے دی۔ قرآن مجید میں تفصیل نہیں ہے لیکن بنی اسرائیل اور یہود کی کتابوں میں یہ تفصیل ہے کہ جنگ سے پہلے مشاورت ہو رہی تھی کہ اب دشمن کے ساتھ مقابلے کی کیا STRATEGY (حکمت عملی) بنائیں وہ جالوت تو آہن پوش ہے لوہے کی زرہ پہن کر آیا ہوا ہے اس کی فوج کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اسی دوران میں حضرت داؤد بھی آ گئے، جو بعد میں نبی بنے اور بادشاہ بھی بنے، بکریاں چرانا ان کا مشغلہ تھا ان کے ریوڑ تھے اور ان کے پاس گوپیا ہوتا تھا اس میں پتھر رکھ کر اُن شیروں اور بھیڑیوں کو مارتے تھے جو ان کے ریوڑ پر حملہ آور ہوتے تھے اور ان کو اس میں خاص مہارت حاصل تھی۔ پہلے زمانے میں جنگ میں مبارزت ہوتی تھی کہ پہلے دونوں فوجوں سے ایک ایک آدمی نکلتا تھا مقابلہ کرتا تھا تو اب جو مشورہ ہو رہا تھا کہ اس جالوت کے مقابلے میں کون جائے تو داؤد نے کہا کہ میں اس کا مقابلہ کرتا ہوں، لوگوں نے کہا کہ آپ کیسے مقابلہ کریں گے آپ کے پاس کوئی تلوار نہیں کوئی ہتھیار نہیں کوئی زرہ نہیں؟ اس نے کہا میں اس گوپیے سے بڑے بڑے شیروں کو مارتا ہوں ان کے جبڑے چیر دیتا ہوں تو بہر حال ان کو اجازت دے دی گئی انہوں نے اس گوپیے کے

ذریعے سے پتھر مارا تو وہ جالوت کی آنکھ میں جا کے لگا اللہ کو ایسے ہی منظور تھا اور یہ اعزاز حضرت داؤدؑ کے لیے لکھا تھا۔ دشمن کی قوم کا سپہ سالار جالوت مر گیا تو ان کے اندر ایک ہزیمت پیدا ہو گئی اسی کے ساتھ ان کا مورال ختم ہو گیا بعد میں جب دو بدو جنگ ہوئی تو اہل ایمان کی تعداد تھوڑی تھی پھر بھی دشمن قوم کو انہوں نے مار بھگایا۔ اس کا یہاں ذکر ہے کہ اللہ نے مدد کی اور اہل ایمان نے جالوت کے لشکر کو شکست دے دی۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ اور اللہ نے ان کو (بعد میں) سلطنت اور حکمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی اور ان کو سکھائے وہ علوم جو اللہ نے چاہا

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر نہ ہوتی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے ہٹاتا ہے

جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے، اس کا رواج چل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی گروہ کو تیار کر کے ان کے مقابلے میں لاتا ہے اور جو فساد ہوتا ہے شرک ہوتا ہے وہ قوم اس کو دنیا سے نیست و نابود کر دیتی ہے۔ یہ اللہ کی ہمیشہ سے سنت چلی آ رہی ہے کہ جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے، ناانصافی اور انارکی حد سے زیادہ پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اہل حق کے گروہ کو اٹھاتا ہے اور اس کے ذریعے سے ان کا مقابلہ کرواتا ہے اور ان مشرکوں، ظالموں اور نافرمانوں کا صفایا کر دیتا ہے یہ اللہ کی سنت رہی ہے۔ جیسے ہم کبھی کبھی ہفتہ صفائی مناتے ہیں اسی طرح وہ جھاڑو نہ پھرتی رہتی تو دنیا میں سارے مشرک ہی مشرک پھرتے۔ تو فرمایا اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا

لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ تو زمین میں فساد ہی فساد ہوتا

شرک ہی شرک ہوتا اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہوتی۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ لیکن اللہ تو بہت فضل والا ہے تمام عالموں پر

اس جنگ کے بعد اللہ نے اہل ایمان کو سلطنت و حکومت عطا فرمائی۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے اور وہ نبی بھی تھے اور ان کے بعد پھر حضرت سلیمان علیہ السلام آئے ان کی بادشاہت کے تو کیا ہی کہنے! وہ نبی بھی تھے اور بہت بڑے بادشاہ بھی تھے۔ اگرچہ وہ

بادشاہت اس طریقے کی نہیں تھی جیسے دنیا کی عام بادشاہت ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کا یہ دور بہت سنہری دور ہے۔ جیسے ہمارے ہاں خلافت راشدہ ہے اسی طرح بنی اسرائیل کی تاریخ میں حضرت طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا دورِ حکومت ان کے لیے یوں سمجھئے کہ خلافت راشدہ کا دور ہے۔ ہمارے ہاں خلافت راشدہ کا دور حضور ﷺ کے زمانے سے متصل ہے اور ان کے ہاں یوں سمجھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین صدیوں بعد خلافت آئی ہے۔ ان تین حضرات کا دورِ حکومت 96 سال ہے۔ یہ تقریباً ایک صدی ان کے لیے ایک سنہری دور ہے کہ اس میں انھیں آرام وسکون اور خوب ترقی حاصل ہوئی اور امن وسکون کے زمانے میں جو دوسرے معاملات ہوتے ہیں وہ ساری آسائشیں ان کو ملیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ — یہ آیتیں ہیں اللہ کی جو (اے نبیؐ) ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں

یعنی یہ آپ کسی کتاب سے پڑھ کر یا معلوم کر کے لوگوں کو نہیں بتا رہے بلکہ ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ آپ اُس وقت موجود نہیں تھے، نہ یہ واقعات آپ کو معلوم تھے، نہ آپ کو کسی کتاب میں لکھے ہوئے ملیں گے بلکہ اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہم آپ کو سنا رہے ہیں

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ — اور بے شک آپ رسولوں میں ہیں۔

رسولوں کا ایک مقدس گروہ ہے جن میں سے آپ ہیں، یہ اللہ کی طرف سے چنے ہوئے لوگ ہیں پسندیدہ لوگ ہیں۔ لیکن ان رسولوں میں سے بھی سارے رسول ایک درجے کے نہیں ہیں ان رسولوں میں بھی درجہ بندی (CATEGORISATION) ہے (جس کا آگے ذکر ہے)۔

درسِ حدیث

تین یقینی باتیں اور چار طرح کے لوگ

حافظ عطاء الرحمن

عَنْ أَبِی کَبْشَةَ الْأَنْمَارِیِّ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ: ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ، وَأُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوهُ فَأَمَّا الَّذِیْ أُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ فَإِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَیْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ بَابَ فَقْرٍ۔ وَأَمَّا الَّذِی أُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوهُ فَقَالَ: إِنَّمَا الدُّنْیَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ: عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا، فَهُوَ یَتَّقِی فِیهِ رَبَّهٗ وَیَصِلُ رَحِمَهٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰهِ فِیهِ بِحَقِّهٖ، فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ۔ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْهُ مَالًا، فَهُوَ صَادِقُ النِّیَّةِ یَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ۔ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ یَرْزُقْهُ عِلْمًا، فَهُوَ یَتَخَبَّطُ فِی مَالِهٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ، لَا یَتَّقِی فِیهِ رَبَّهٗ وَلَا یَصِلُ فِیهِ رَحِمَهٗ، وَلَا یَعْمَلُ فِیهِ بِحَقٍّ، فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا، فَهُوَ یَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَهُوَ نِیَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ (سنن ترمذی)

عَنْ أَبِی کَبْشَةَ الْأَنْمَارِیِّ أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ:

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا:

ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ، وَأُحَدِّثُکُمْ حَدِیثًا فَاحْفَظُوْهُ

تین باتیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ان کے علاوہ ایک اور بات بھی میں تم کو بتاتا ہوں، پس تم اس کو یاد کرلو!

اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں آگے بیان فرمائی ہیں ان کو بیان کرنے سے پہلے آپ نے سامعین کو ان کی اہمیت کا احساس دلایا تاکہ لوگ ان کو متوجہ ہوکر سن لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ تمہید ارشاد فرمایا میں ابھی تمہیں کچھ باتیں بتانے لگا ہوں، ان میں سے تین باتیں تو ایسی پکی ٹھکی ہیں کہ ان کے یقینی اور حتمی ہونے پر میں قسم کھاتا ہوں، اور ان تین کے علاوہ ایک اور اہم بات بھی تمہیں بیان کروں گا تمہیں چاہیے کہ اس کو بھی اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرلو، کہیں اس کو بھلا نہ دینا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ باتیں ارشاد فرمائیں۔ فرمایا:

فَأَمَّا الَّذِی أُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ

وہ تین باتیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، یہ ہیں:

(۱) فَإِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ،

بے شک بندہ کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا،

یعنی کوئی آدمی اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی نیک کام میں خرچ کرے تو اس خرچ کرنے کی وجہ سے وہ کبھی مفلس اور نادار نہیں ہوگا بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس اللہ کی راہ میں وہ صدقہ کر رہا ہے وہ اپنے خزانۂ غیب سے اس کو مزید بھی عطا فرمائے گا۔

بظاہر دکھائی یہ دیتا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم ہوجاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی آدمی کے پاس دس ہزار روپے تھے ان میں سے اس نے ایک ہزار روپے صدقہ کردیے تو اس کے پاس نو ہزار رہ گئے اور بظاہر ان میں سے ایک ہزار کم ہوگیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس صدقہ کی وجہ سے بقیہ نو ہزار روپے میں ہی ایسی برکت دے دیتا ہے کہ

اس کے جو کام دس ہزار میں ہو سکتے تھے وہ نو ہزار یا اس سے کم میں ہی ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صدقہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی آنے والی ایسی مصیبت یا بیماری کو ہٹا دیتا ہے کہ اگر وہ آ جاتی تو انسان کو اس کے دور کرنے میں زیادہ مال خرچ کرنا پڑ جاتا اور شاید اس کے لیے قرضہ اٹھا کر انسان مزید مشکلات کا شکار ہو جاتا۔ تو حدیث کے اس حصے سے معلوم ہوا کہ یہ بات بالکل یقینی ہے کہ صدقہ کرنے سے انسان کا مال کم نہیں ہوتا۔

قرآن پاک کی آیات اور دوسری احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ صدقہ کرنے سے مال بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتے ہیں۔ سورۂ سبا کی آیت 39 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ ''اور تم جو چیز بھی (خیر کے کام میں) خرچ کرو اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بدل دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' اور حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (متفق علیہ عن ابی ہریرۃؓ) یعنی ہر دن صبح کے وقت دو فرشتے اُترتے ہیں جن میں ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روک کر رکھنے والے (کے پاس جو مال ہے اس) کو ہلاک کر دے''۔

(۲) دوسری بات جس پر آپ ﷺ نے قسم کھائی، یہ ہے

وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا

اور کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا جس پر اُس نے صبر کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی عزت کو زیادہ کر دے گا۔

یعنی ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر کوئی زیادتی کی، اس کا کوئی حق دبا لیا، یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائی اور جس کا حق دبایا گیا یا جس کو تکلیف دی گئی اس نے اس پر صبر کر لیا اور کوئی بدلہ نہیں لیا تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ بدلہ نہ لینے والا کمزور یا ذلیل ہے۔ جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ مثلاً آپ کو کسی نے گالی دی اگر آپ یہ سمجھیں کہ جب تک میں جواب میں اس کو گالی نہیں دوں گا تو میری عزت میں کمی آ جائے گی، تو ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر آپ اس کی غلط بات پر

یا کسی کے ظلم پر صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی عزت کو بڑھا دے گا۔ یہ اتنی پکی ٹھکی بات ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ بات قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اس حدیث میں گویا اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی یا کوئی رشتہ دار آپ سے ظلم یا زیادتی کرے تو آپ کو اس پر صبر کر کے اللہ کی رضا کے لیے درگزر کر دینا چاہیے اور بدلہ نہیں لینا چاہیے۔ عام طور پر ہمارے معاشرے میں لوگ کسی کی زیادتی کو معاف کرنے کے بجائے اس کا بدلہ لینا ضروری سمجھتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ بدلہ نہیں لیں گے تو وہ ہمیں کمزور سمجھیں گے، لہٰذا وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں اور پھر دوسرا فریق بھی یہی خیال کرتا ہے کہ میں کوئی کمزور نہیں ہوں، میں اس سے زیادہ تگڑا ہوں تو وہ بھی اس کے بدلہ میں اور زیادہ ظلم کرتا ہے اس طرح بات بڑھ جاتی ہے تو دونوں فریق کے درمیان لڑائی جھگڑا بڑھ جاتا ہے اور دونوں ہی اللہ کی نگاہ میں بھی اور معاشرے کی نگاہ میں بھی ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے ساتھ ہونے والے ظلم و زیادتی کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتا ہے۔

قرآن پاک میں بھی معاف کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سورۂ نحل کے آخر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تم (کسی ظلم کا) بدلہ لینا چاہو تو تم اتنا بدلہ لے سکتے ہو جتنا تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی اور البتہ اگر تم صبر کر لو تو یہ بہت بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے''۔ اور سورۂ شوریٰ کی آیت 43 میں فرمایا: ''اور جو کوئی صبر سے کام لے اور درگزر کر دے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھ کیے جانے والے کسی ظلم کا کبھی بدلہ لیا ہو، مگر جب اللہ کی حدود میں سے کسی کو پامال کیا جاتا تو اس پر آپ ﷺ کو سخت غصہ آتا تھا اور اس کا بدلہ لیتے تھے۔

(۳) تیسری بات جس پر آپ ﷺ نے قسم کھائی یہ ہے

وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ

اور جو بندہ (لوگوں سے) مانگنے کا دروازہ کھولے گا اللہ تعالیٰ اس پر فقر (محتاجی) کا دروازہ کھول دے گا

یعنی کسی شدید ضرورت کے بغیر لوگوں سے سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا

بہت ہی ناپسندیدہ کام ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مانگنے والے پر فقر محتاجی مسلط کر دی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ ''جو لوگوں سے اُن کا مال مانگتا ہے تا کہ اس کے پاس مال زیادہ ہو جائے وہ انگارے کے سوا کچھ نہیں مانگتا، اب چاہے تو تھوڑا مانگے چاہے زیادہ''۔ گویا مانگا ہوا مال انگارہ ہوتا ہے جو انسان کے اپنے کمائے ہوئے مال میں شامل ہو جائے تو اس کو بھی جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ اگر کبھی کسی کو مالی طور پر تنگدستی کا سامنا کرنا پڑ جائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اپنی تنگی دور کرنے کی اللہ سے دعا مانگتا رہے اور فراخی کا انتظار کرے۔ جب تک ممکن ہو اپنی تنگدستی کا اظہار لوگوں کے سامنے نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ، فَيُوشِكُ اللّٰهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ (ترمذی)

''جس شخص کو تنگدستی پیش آئے پھر وہ لوگوں کو اس کے بارے میں بتاتا پھرے تو اُس کی تنگدستی دور نہیں ہوتی، اور جس شخص کو تنگدستی پیش آئے پھر وہ اللہ کے سامنے اسے پیش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے روزی مہیا فرما دے گا، خواہ جلدی خواہ دیر سے (اپنی مصلحت کے مطابق)''۔

قرآن پاک میں جن لوگوں کو صدقات کا زیادہ مستحق بتایا گیا ہے ان کا ایک وصف یہ بھی بیان ہوا ہے ﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ یعنی جو لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے (جیسا کہ مانگنے والے عام طور پر کرتے ہیں) ایسے حاجت مند لوگوں کی صدقات و خیرات کے ذریعے مدد کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے بہ نسبت اُن لوگوں کے جو پیشہ ور بھکاری ہیں۔

یہ تین باتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایسے اٹل فیصلے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان پر قسم کھاتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

وَأَمَّا الَّذِي أُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوهُ فَقَالَ:

اور رہی وہ بات جو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، جس کو تمہیں یاد رکھنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ

اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ:

دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے یعنی اس دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں:

1 عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَ عِلْمًا،

کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا ہے اور علم بھی دیا ہے،

فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهٗ وَ يَصِلُ رَحِمَهٗ وَ يَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيهِ بِحَقِّهٖ

اور وہ اس مال کے استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کے لیے وہی تصرف کرتے ہیں جو کرنا چاہیے۔

فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ

ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں۔

یعنی دنیا میں ایک قسم تو ان لوگوں کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی دولت بھی وافر عطا کی ہے اور ان کو سیدھے راستے کا علم بھی عطا کیا ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ کسی مالدار آدمی کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ پھر وہ اس علم کے مطابق اس مال کو صحیح مصرف میں لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم بھی پورے کرتے ہیں، اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں یعنی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتے ہیں اور مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور دیگر حاجت مند لوگوں پر خرچ کرتے ہیں اور اللہ کے دین کی اشاعت اور غلبہ کے لیے بھی مال لگاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ سب سے اعلیٰ درجہ کے اور بہت ہی خوش نصیب لوگ ہیں۔

2 وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ

اور کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ نے علم تو عطا فرمایا ہے اور ان کو مال نہیں دیا، لیکن وہ نیت کے سچے ہیں

يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ،

وہ کہتے ہیں: اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی فلاں (پہلی قسم والے) آدمی کی طرح اس کو کام میں لاتے

کون آدمی نیت کا سچا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ تو اچھی طرح جانتا ہی ہے البتہ ہر آدمی کو

اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ نعمتیں اور وسائل دیے ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان اور اسی طرح جسم کے دیگر اعضا تقریباً سب کے پاس ہوتے ہی ہیں۔ اگر آدمی اپنے موجود وسائل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہی استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کی اس نیت کا سچا ہونا ظاہر بھی ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس زیادہ مال اور وسائل ہوتے تو وہ اُن کو بھی اللہ کی رضا والے کاموں میں ہی لگاتا۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ تو جانتے ہیں کہ کسی مالدار آدمی کی شرعی اور دینی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں لیکن ان کے پاس زیادہ مال اور وسائل نہیں ہوتے البتہ ان کی نیت اور جذبہ اچھا ہوتا ہے کہ اگر ان کے پاس مال ہوتا تو وہ بھی دینی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرتے۔ یہ دوسری قسم کے لوگ ہیں اور ایسے لوگوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ

ان دونوں کا اجر برابر ہے

یعنی دوسری قسم کے لوگوں کو ان کی حسن نیت اور اچھے جذبے کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی اجر و ثواب ملے گا اور یہ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوں گے۔

3 وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا،

اور کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہوتا ہے اور ان کے پاس علم کی دولت نہیں ہوتی

یعنی تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کے پاس مال اور مادی وسائل تو بہت ہوتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس سے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں اور نہ ان میں یہ جاننے کی کوئی نیت یا خواہش ہوتی ہے

فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

پھر وہ صحیح علم کے بغیر ہی اس مال (کو کمانے رکھنے) میں اندھا دھند لگے رہتے ہیں،

لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْمَلُ فِيهِ بِحَقٍّ

وہ اس بارے میں نہ خدا سے ڈرتے ہیں، نہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرتے ہیں اور نہ اس کو جن کاموں میں لگانا چاہیے ان میں لگاتے ہیں۔

فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ،

یہ بدترین درجہ کے لوگ ہیں

اگر آدمی کے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہو تو اس پر اضافی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جن کو جاننا اور ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر آدمی کو اس کی کوئی فکر ہی نہ ہو کہ وہ معلوم کرے کہ مالدار ہونے کی وجہ سے مجھ پر دینی ذمہ داریاں کیا عائد ہوتی ہیں اور وہ صرف عیش وعشرت میں اور اپنی دنیاوی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کھانے پینے، لباس اور رہائش کی اعلیٰ سہولیات اور دیگر آسائشیں حاصل کرنے میں ہی ہر وقت لگا رہے اور جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، جو دین کے تقاضے ہیں، جو رشتہ داروں، پڑوسیوں، مسکینوں کے حقوق ہیں ان کی کوئی پرواہ ہی نہ کرے تو ایسا آدمی بدترین اور انتہائی گھٹیا آدمی ہے۔ قرآن مجید میں قارون کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ بہت بڑا دولت مند آدمی تھا جو بڑے ٹھاٹھ سے نکلتا تھا اور اسے اپنی دولت پر بہت غرور تھا۔ جب اس کو کچھ لوگوں نے کہا کہ تو لوگوں پر احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، تو اس نے جواب دیا کہ میرے پاس جو دولت ہے یہ میں نے اپنی قابلیت اور ہنرمندی سے حاصل کی ہے گویا مجھے یہ کسی نے احسان کے طور پر نہیں دی کہ میں اس کے شکریے کے طور پر کسی پر احسان کروں۔ وہ اپنی دولت کے نشے میں ایسا مگن تھا کہ اس کے خیال میں یہ بات نہیں آئی کہ اُس سے پہلے بھی اس دنیا میں بڑی دولت اور قوت والے اور عیش وعشرت سے زندگی بسر کرنے والے گزر چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا تھا۔ اگر یہ دولت اور شان وشوکت ان کی قابلیت کی وجہ سے تھی تو یہ قابلیت اُس وقت کہاں چلی گئی تھی جب وہ تباہ ہوئے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تھوڑا رزق دیتا ہے اور جب چاہے زیادہ والے سے واپس بھی لے سکتا ہے اور تھوڑے والے کو زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ جن لوگوں کو زیادہ مال و دولت مل جائے ان کی آزمائش بھی سخت ہو جاتی ہے کیونکہ ان پر اضافی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں، جن کو جاننا اور پھر ان کو پورے طور پر ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

4 وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا،

اور کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ مال دیا ہے اور نہ علم دیا ہے

فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ،

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی فلاں (تیسری قسم والے عیاش) آدمی کے طریقے سے اس کو خرچ کرتے یعنی اس کی طرح ہم بھی عیاشی اور فضول خرچی کرتے۔

فَهُوَ نِيَّتُهُ وَ وِزْرُهُمَا سَوَاءٌ

پس یہی ان کی نیت ہے اور دونوں کا گناہ برابر ہے

یعنی یہ چوتھی قسم کے لوگ بری نیت اور برے جذبے کی وجہ سے تیسری قسم کے بدترین لوگوں کے برابر ہیں اور ان کے ساتھ برے انجام میں شریک ہوں گے۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے بہت اہم باتوں کی طرف ہماری رہنمائی کی ہے تاکہ ہم ان باتوں کو سمجھیں اور پھر غور کریں کہ ہم کس قسم کے لوگوں میں سے ہیں یا کن جیسا بننا چاہتے ہیں۔ اگر ہم اعلیٰ درجہ کے لوگوں جیسا بننا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے جس کو جتنا دے رکھا ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق لگائے اور نیت اور جذبہ ہو کہ اگر زیادہ مل جائے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہی خرچ کریں گے۔ یہ نیت اور سوچ نہیں ہونی چاہیے کہ زیادہ پیسے آجائیں تو فلاں بے دین دنیادار آدمی کی طرح ہم بھی بڑا سا پر آسائش گھر بنائیں گے اچھی سی گاڑی لے لیں گے سیر سپاٹے کریں گے اور عیش کی زندگی گزاریں گے۔ بلکہ یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی ہمیں دے گا ہم اللہ کی رضا کی خاطر ہی خرچ کریں گے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کے حقوق ہیں اور انسانوں کے حقوق ہیں ان میں سے جو بھی ہم پر عائد ہوں گے ہم وہ ادا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وصلّی اللّٰہ علیٰ سیّدنا محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فریضۂ حج اور عیدالاضحیٰ

مولانا محمد انور چیمہ

اسلامی عبادات میں حجِ بیت اللہ کو بڑی اہمیّت حاصل ہے یہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے۔ حج ایسی عبادت ہے جو کئی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ حج کا موقع ہو یا عید کا، یہ دنیا کے سامنے عالم اسلام کا ایک بہت بڑا شوآف پاور بھی ہوتا ہے۔ حجِ بیت اللہ مسلمانانِ عالم کا آپس میں ایک اتفاق واتحاد کا بہت بڑا محبت بھرا مظاہرہ بھی ہے۔ مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع اور اکٹھ کفر کی دنیا کے دل میں بہت بڑا کھٹکا ہے۔ محبتوں بھرا اسلام کا یہ رکن ہر اس عاقل بالغ مسلمان پر ادا کرنا فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو یعنی اس کے پاس حج کے لیے آنے جانے کے اخراجات اور سفر کے دوران اپنے اہل وعیال کے خرچے کا انتظام موجود ہو۔

حج کس کیفیت کا نام ہے؟ حج کے اندر راز کیا مضمر ہے؟ ہر حاجی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت و وفاداری کے عہد و پیماں باندھتا ہے اور دین حق کے خلاف دیگر امور میں جو عہد و پیمان اس نے کیے تھے وہ سب توڑ دیتا ہے۔ جب اپنے وطن سے حج کی نیت کر کے نکلتا ہے تو دنیا و مافیہا سب ترک، سب کو الوداع اور سامان موت کی جستجو کرتے آگے آگے ہدایت الٰہی اور پیچھے تقویٰ مددگار ہوتا ہے۔ اپنے گناہوں کی شرمندگی سے آنکھیں پرنم ہوتی ہیں اور میقات پر سب راحتیں ترک، سب خواہشات ماسوا حق سے مجرد بظاہر تن پر دو سفید کپڑے احرام کی حالت میں آجاتا ہے۔ یہ احرام اللہ تعالیٰ سے ایک عہد ہے کہ جب تک اس جہاں میں ہوں رضا الٰہی کے سوا سب سے منہ موڑ لیا۔ فریضۂ حج کے دوران جب حاجی انسانوں کے اتنے بڑے ہجوم کو اللہ تعالیٰ کے حضور

گرے پڑے دیکھتا ہے اور ہر طرف سے لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند ہوتیں سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور کمال درجہ کی یکسوئی سے حاضری نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارعب بلند و بالا اور رحمتوں بھرے گھر کا ہر کوئی بڑے خشوع وخضوع اور پرنم آنکھوں کے ساتھ طواف کرتا ہے تو وہ اس سے بالکل بے خبر ہوتا ہے کہ ساتھ چلنے والا انسان مرد ہے یا عورت۔ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم گھر کے ایک کونے میں نصب شدہ جنتی پتھر پر جب حاجی کی نظر پڑتی ہے تو وہ اپنا ہاتھ شمشیر بے نیام کی طرح اس پتھر کے سامنے کرتا ہے تو کفر کی دنیا کو ہلا دینے والی صدا اللہ اکبر بلند کرتا ہے۔ پھر اس ہاتھ کی عظمت کو چوم لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت کے صدقے اس بندہ سے راضی ہو جاتا ہے اور کرم نوازی سے یہ ہاتھ اب اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ اب حاجی اللہ تعالیٰ کے اس کرم کا شکریہ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے گھر کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو کر ایک طرف وہ اس عظیم گھر کی دیواروں سے چمٹ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال درجہ کی عنایت ہے جو حاجی کو نصیب ہوتی ہے۔ طواف کے دوران اسی طرح سات دفعہ اس سعادت سے فیضیاب ہوتا ہے۔ مقامِ ابراہیم کو دیکھا کر آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے اور چند قدم پیچھے ہو کر شکرانے کے دو نفل ادا کرتا ہوا شعائر اللہ صفا اور مروہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ صفا وہ بلند مقام ہے جہاں صاحب نظر لوگ اپنی ارواح کو نورِ معرفت سے مزین کرتے ہیں اور مروہ وہ بلند مقام جہاں متقی پرہیز گار اور زاہد لوگ چڑھ کر اپنے ندامت کے آنسوؤں سے اپنی خطائیں صاف کر کے قرب الٰہی کا قصد کرتے ہیں اور صفا اور مروہ کے درمیان اللہ تعالیٰ کی محبوب بندی کی اداؤں کی یاد تازہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرتا ہے۔

حج کے ظاہری ارکان نہایت آسان ہیں۔ میقات پر احرام باندھ کر 8 ذی الحجہ کو قبل از زوال حاجی منیٰ پہنچ جاتے ہیں اور مسلسل لبیک اللھم لبیک پکارتے رہتے ہیں۔ نمازِ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر ادا کر کے عرفہ کے دن یعنی 9 ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کی طرف چلے جاتے ہیں۔ میدانِ عرفات میں سورج ڈھل جانے کے بعد خطبہ سنتے ہیں۔ نمازِ ظہر و عصر اوّل وقت ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور غروبِ آفتاب تک ذکر و اذکار اور آہ و زاری اور دعائیں مانگنے میں مشغول رہتے ہیں۔ یوم عرفہ سے زیادہ کسی اور دن شیطان کو ذلیل و حقیر اور پریشان ہوتے نہیں دیکھا گیا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے لوگ جہنم سے آزاد ہو کر جنت میں

جارہے ہیں۔غروبِ آفتاب کے بعد بغیر نمازِ مغرب ادا کیے مزدلفہ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ کثرت سے لبیک پکارتے ہوئے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ قصر نماز ادا کرتے ہیں۔رات مزدلفہ میں گزارتے ہیں،نماز فجر ادا کرتے ہیں اور سورج نکلنے سے قبل مزدلفہ سے کوچ کر کے واپس منیٰ جاتے ہیں اور جمرۃ العقبہ (بڑا شیطان) کو سات کنکریاں مارتے ہیں۔پھر جانور کی قربانی کرتے ہیں اور سر کے بال کاٹتے ہیں اور طوافِ کعبہ اور سعی کرتے ہیں پھر منیٰ میں دو دن چاند کی گیارہویں اور بارھویں گزارنا واجب ہے اور رمی کرنا واجب ہے یعنی ہر روز تینوں شیطانوں کو سات سات کنکریاں مارنا۔اب اگر مکہ شریف آنا چاہیں تو آسکتے ہیں۔ طواف کریں نمازیں پڑھیں۔وطن واپسی کے لیے مکہ شریف چھوڑنے سے قبل بیت اللہ کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھیں اور طواف الوداع کرلیں۔یہ حج کا طریقہ کار ہے۔

یہ اسلام کا احسان عظیم ہے کہ خدا کا گھر جہاں کفر وشرک نے اپنے ناپاک پنجوں سے گند مچا رکھا تھا جس کو انھوں نے 365 بتوں کی غلاظت سے بھر دیا تھا اور فیوض و برکات بانٹنے والے اس گھر کو شرک کا اڈا بنا رکھا تھا۔جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر وعذاب سے صفا مرد اور مروۃ عورت کی لاشوں کو بدکاری کی سزا میں پتھر کر دیا تھا۔یہ لاشیں قدیم زمانہ کے لوگوں نے سبق آموزی کے لیے ان دو پہاڑیوں پر لٹکا دی تھیں ان دو پہاڑیوں کو انہیں کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔عرصہ بعد لوگوں نے سبق حاصل کرنے کی بجائے انہیں پوجنا شروع کر دیا۔اس سارے گند سے اسلام نے پہلے ہی ہلے میں بیت اللہ کو پاک کر دیا اور صفا اور مروہ کو شعائر اللہ کا درجہ دے کر فرمایا:اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہ۔ یہ سطح زمین پر بسنے والوں پر ایک احسان عظیم ہے کہ جہاں اس قدر بے راہ روی تھی وہاں دوبارہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا پرچم لگا دیا اور کفر و شرک کا صفایا کر دیا اور گنہگار مسلمانوں کے لیے اس گھر کو سینیٹا ئزر بنا دیا۔

بیت اللہ کا حج کر کے حاجی لوگ سرکارِ دو عالم محبوب رب العالمین ﷺ کے دربار میں حاضری کے لیے مسافر مدینہ بننے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔اس شہر مقدس میں حاضری انتہائی مؤدب انتہائی مؤدب ہو کر دی جاتی ہے۔یہ مقام ایسا ہے بقول شاعر

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ترجمہ: زیرِ آسماں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا شہر ایک ایسی ادب گاہ ہے جہاں حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی جیسے عظیم الشان ولی بھی سانس روک کر آتے ہیں۔

ذوالحجہ کے ان بابرکت دنوں میں مکہ مکرمہ میں حج کی عالی شان عبادت کے علاوہ باقی سارے عالم اسلام میں عیدالاضحیٰ کی خوشیاں منائی جاتی ہیں اور نماز عید کے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں۔ عید کے روح پرور اجتماعات سے امت مسلمہ کی اجتماعی شان و شوکت اور اتحاد و یگانگت کا اظہار ہوتا ہے۔ سنت ابراہیمی ادا کی جاتی ہے جانور قربان کیے جاتے ہیں آقا و مالک کی رضا اور خوشنودی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

صرف مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ ہر امت اور قوم میں عید کا تصور ملتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کے دن ان کی امت عید منایا کرتی تھی، یہ بھی دن دسواں اور رات گیارھویں تھی، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت آتش نمرود جس دن گلزار ہوئی تھی اس دن عید منایا کرتے تھے یہ بھی عاشورہ کا دن تھا۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کی امت مچھلی کے پیٹ سے نجات ملنے کے دن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت جس دن آسمان سے مائدہ نازل ہوا تھا عید منایا کرتے۔ الغرض عید کا تصور ہر قوم و مذہب میں ہر دور میں موجود رہا لیکن عید کا عمدہ اور پاکیزہ تصور جو دین اسلام نے دیا کسی دوسرے دین میں نہیں۔ اللہ والوں نے امت کے افراد کو اپنے اپنے انداز میں رہنمائی اور تنبیہ فرمائی کہ عید اُس کی نہیں جو صرف نئے کپڑے پہن لے، خوشبو لگا لے، دنیا کی زیب و زینت سے آراستہ پیراستہ ہو جو عمدہ سواری پر ہو اعلیٰ بچھونوں قالینوں پر بیٹھے اور موسیقی سے دل بہلائے بلکہ عید تو اس شخص کی ہے جو خوفِ خدا کا دھیان رکھے، جو توبہ و استغفار کرے جس کے پاس توشۂ آخرت ہو جو گناہوں اور معصیت کو چھوڑ دے جو پل صراط سے بآسانی گزر جانے کی فکر اور سعی کرے جو قرآن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ذکر الٰہی میں مصروف ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہر مسلمان کو اس بابرکت اکٹھ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ یا اللہ ہمیں اپنے گھر بیت اللہ اور اپنے حبیب ﷺ کے گھر کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

سائنس اور مذہب میں مقاربت ومغایرت

انجینئر فیضان حسن
(پی ایچ ڈی سکالر، فیصل آباد)

(ج) تخلیقِ کائنات کا بگ بینگ ماڈل

سائنس دانوں کے مابین کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں دو نظریات مقبول تھے، جو 20ویں صدی میں پیش کیے گئے: ایک نظریہ یہ تھا کہ کائنات کی ابتدا ایک دھماکے سے ہوئی۔ اس کو بگ بینگ (Big Bang) کہا جاتا ہے۔ گویا کائنات کا آغاز ایک نقطہ سے ہوا۔ پوری کائنات کا مادہ ایک جگہ جمع تھا پھر کائنات پھیلنا شروع ہوئی۔ بصری ماہرین فلکیات (Optical Astronomists) کے پاس ثبوت تھا کہ یہ کائنات جسے ہم دیکھتے ہیں پھیل رہی ہے اور بہت زیادہ دور فاصلوں پر گلیکسیاں پیچھے کی طرف بہت تیزی سے ہٹ رہی ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات کسی قسم کے دھماکے (Explosion) کے نتیجہ میں معرض وجود میں آئی ہے اور اس کی تاریخ ولادت یا تخلیق کی تاریخ کائنات کے پھیلاؤ کی شرح کے حساب سے دریافت کی جاسکتی ہے۔ کائنات کی تخلیق کا موجودہ تسلیم شدہ نظریہ عظیم دھماکے (Big Bang) کا نظریہ ہے۔ دوسرا نظریہ ابتدائے کائنات کا وہ تھا جس کو ہبل (Hubble) نے پیش کیا۔ وہ تصور یہ ہے کہ کائنات پھیل نہیں رہی بلکہ اس میں تخلیق کا عمل مسلسل جاری ہے۔ بظاہر ہمیں کائنات پھیلتی نظر آتی ہے لیکن یہ تاثر نئی تخلیق کے تسلسل کی بنا پر قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کائنات کا آغاز ایک نقطہ سے ہوا۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ مادہ (Matter) جو یہ گلیکسیاں اپنے ساتھ پیچھے کی

طرف لے جارہی ہیں یعنی جب وہ باہر کی طرف سفر کرتی ہیں تو مادے کی یہ کمی اس مادے کی تخلیق سے پوری ہورہی ہے، جو ساری فضائے بسیط (خلا) میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ اس نظریے کو مستقل حالت (Steady State) کا نظریہ کہتے ہیں۔ یہ نظریہ اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔

جہاں تک مشاہدے کا تعلق ہے شواہد پہلے تصور کے حق میں ہیں۔ تخلیق مسلسل کے نظریے کے حق میں کوئی شواہد پیش نہیں کیے جاسکے۔ اس کے برعکس جب دور کی کسی کہکشاں کا مشاہدہ کیا جائے تو کائنات کا پھیلنا ایک حقیقت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ پہلے تصور یعنی ایک نقطے سے کائنات کے آغاز کو اہل تحقیق نے عام طور پر تسلیم کیا۔ اسٹیفن ہاکنگ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات کی ابتدا ایک نقطے اور دھماکے سے ہوئی اور اب وہ پھیلتی جارہی ہے۔

بگ بینگ تھیوری:

عظیم دھماکے کا نظریہ (Theory of Big Bang) کے مطابق ہماری کائنات آج سے 1520 ارب سال پہلے (بعض مصنّفین 13 تا 15 ارب سال شمار کرتے ہیں) شدید دھماکے سے پھٹ گئی۔ اس لیے اس واقعے کو انگریزی میں بگ بینگ کہتے ہیں۔

بگ بینگ سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ایک نقطے سے عدم سے وجود میں آئی۔ جدید سائنسی حلقے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ کائنات کے آغاز اور اس کے وجود کی واحد معقول اور قابل ثبوت وضاحت بگ بینگ ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے مادے کا وجود ہی نہ تھا۔ حالت عدم (Condition of Non Existance) تھی جس میں نہ مادہ تھا، نہ توانائی تھی اور نہ ہی وقت موجود تھا۔ اسے مابعد الطبیعاتی طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ مادے، توانائی اور وقت کو ایک ساتھ تخلیق کیا گیا۔ ماڈرن فزکس نے اس حقیقت کو صرف حال ہی میں دریافت کیا ہے لیکن قرآن مجید نے اس کا اعلان ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی کر دیا تھا۔ اس دھماکے سے قبل ہماری موجودہ کائنات کا تمام مادہ اور اشعاع ایک ابتدائی آتشی گولے میں بند تھی جو شدید ترین درجہ حرارت اور کثیف ترین حالت میں تھی۔ دھماکے کے بعد موجودہ کائنات پھیلی۔ ابتدائی مادہ جو الیکٹرون اور پروٹون پر مشتمل تھا، تیزی سے پھیلا، قدرے ٹھنڈا ہوا اور کئی لاکھوں سال بعد یہ سیاروں، ستاروں اور کہکشاؤں میں بدل گیا اور اس وقت سے لے کر آج تک کائنات نے پھیلنا جاری رکھا ہوا ہے

اور تمام کہکشائیں ہم سے دور بھاگتی جارہی ہیں۔ ابتدائی کائنات کا تخلیقی مادہ ہائڈروجن گیس تھی چنانچہ ان کہکشاؤں میں نئے ستارے اب بھی پیدا ہورہے ہیں اور یہ وہی ہائڈروجن استعمال کرتے ہیں جو عظیم دھماکے یعنی بگ بینگ کے وقت پیدا ہوئی تھی۔

ابتدا اور انتہائے کائنات کے متعلق سائنسی تحقیقات اور قرآنی تعلیمات کا تقابل:

مندرجہ بالا انسانی نظریات ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ صحیح ہوں اور ہوسکتا ہے کہ غلط ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ تمام کائنات خالق کائنات نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہے اور وہی ان کے پیدا کرنے کی مدت کو صحیح صحیح جانتا ہے۔ البتہ قرآن میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ زمین اور آسمان کو بیک وقت پیدا نہیں کیا گیا بلکہ ان کو رفتہ رفتہ بنایا اور انسانوں کے لیے قابل رہائش بنایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے ان کو چھ دنوں میں بنایا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا O (الفرقان:59)

''جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر جا ٹھہرا وہ (جس کا نام) رحمٰن (یعنی بڑا مہربان) ہے تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کرلو''۔

ایک دن کی مقدار یہ 24 گھنٹے جس کو ہم لوگ ایک دن شمار کرتے ہیں، اس کو نہ لیا جائے بلکہ قرآن ہی کی زبان میں پچاس ہزار سال یا اس سے زیادہ کی مدت کو ایک دن قرار دیا جائے۔ جیسا کہ خود قرآن نے کہا:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

''.....جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں، اس روز میں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا'' (المعارج:4)

تو چھ دن میں زمین و آسمان بنانے سے مراد مدت مزید ہوسکتی ہے جس کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ تو کہا جاسکتا ہے کہ زبردست دھماکے کے بعد سے لے کر زمین کے پیدا ہونے تک اور پھر زمین کی پیدائش کے بعد سے حیوان و انسان کے قابل رہائش ہونے تک ایک طویل مدت لگی ہوگی جس کو

قرآن نے 6 دن کہا ہے اور دوسری جگہ زمین کو قابل رہائش بنانے تک کی مدت کو چار دن کہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ O (فصلت:10)

''اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامان معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں (اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں''۔

اس لیے ہوسکتا ہے کہ سائنس دان اسی مدت کے بارے میں یہ اندازہ لگاتے ہوں کہ وہ 15 ارب سال کی مدت ہے۔ اس لیے قرآن اور سائنس دانوں کے اقوال میں کوئی زبردست تضاد نہیں ہے۔ دونوں کی باتیں قریب قریب ہوسکتی ہیں۔ واللہ اعلم

کائنات دھواں تھی:

آج کے دور کے جدید علم طبیعات وفلکیات کے ماہر اور سائنس دان تخلیق کائنات کے متعلق جس عظیم بادل کی بات کرتے ہیں۔ اس کے بارے قرآن نے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے انکشاف کر دیا تھا:

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ O (فصلت: 11)

''پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے، انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں''۔

یہ دھواں درحقیقت کائنات کے تخلیقی مادے پر مشتمل تھا تخلیقی مادہ تمام عناصر کے بخارات پر مشتمل تھا چونکہ درجہ حرارت اتنا شدید تھا کہ ہر عنصر بخارات کی صورت میں موجود تھا جس کو قرآن کی مذکورہ آیت میں دخان کہا گیا ہے۔ اس حقیقت پر آج کے تمام سائنس دان متفق ہیں۔

زمین اور آسمان ملے ہوئے تھے پھر اللہ نے ان کو جدا کر دیا:

دورِ جدید میں سائنس یہ بات ثابت کر چکی ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں پہلے ملی جلی

تھیں۔ زبردست دھماکے کے بعد ہی یہ سب الگ الگ ہونی شروع ہوئیں۔ چنانچہ یہی اعلان قرآن نے بھی کیا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ O (الانبیاء:30)

''کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟''

اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ابتدا میں زمین و آسمان گیس کی حالت میں ملے جلے تھے پھر ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا۔

کائنات وسیع ہوتی جارہی ہے:

سائنس کا نظریہ ہے کہ بگ بینگ دھماکے کے بعد کچھ مادے منجمد ہو کر ستارے اور سیارے بن گئے اور کچھ گیس ابھی تک منجمد نہیں ہوئی ہے وہ ابھی تک گیس کی حالت میں ہے اور وہ گیس قدرتِ خداوندی سے مسلسل پھیلتی جارہی ہے اور وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ قرآن بھی اس نظریے کی تائید کرتا ہے: وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذاریات:47)

''اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے''

مُوْسِعُوْنَ کا ترجمہ وسیع قدرت والے بھی ہے اور اسی کو عام مفسرین نے لیا ہے لیکن الفاظ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس کا ترجمہ ''ہم آسمان کو وسیع کرتے جارہے ہیں'' لے لیا جائے۔

کائنات میں پھر دھواں ہوگا:

اختتام کائنات کے متعلق بھی سائنس کا نظریہ ہے کہ کائنات میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ پھر زبردست دھماکہ (Big Crunch) ہوگا۔ یہ وقت کب آئے گا اس کا اندازہ اہل سائنس بھی نہیں لگا سکتے۔ البتہ اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ کائنات کی تمام چیزیں ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہو جائیں گی، اس وقت تمام منجمد مادے ستارے، سیارے ٹوٹ پھوٹ کر

گیس میں تبدیل ہو جائیں گے۔قرآن سے اس بات کی تائید یوں ہوتی ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ O (الدخان:10)

''تو اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دھواں نکلے گا''

ایک اور آیت سے اس سائنسی نظریے کی تائید ہوتی ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ O وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ O (الانفطار:2-1)

''جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے جھڑ پڑیں گے''۔

Big Crunch کا ماحصل یہ کہ کائنات کے انجام کے مندرجہ ذیل محرکات ہو سکتے ہیں:

1۔ سورج کی موت

2۔ کہکشاں (Galaxy) کے مرکز سے تباہی

3۔ کائنات کی حراری موت

4۔ کائنات کا مجموعی انہدام واختتام۔وقت کا خاتمہ

جان ویلر کی تحقیقات کے مطابق: '' اگر کائنات سیاہ شگاف کے متعلق طبیعاتی قوانین کے مطابق ٹکرائی تو عین ممکن ہے کہ وہ پھر سے معرض وجود میں آجائے۔عظیم آخری تباہی (Big Crunch) کائنات کے ایک نئے عظیم دھماکے کا باعث بن سکتی ہے جس کا نتیجہ ایک نئی کائنات کے وجود میں آنے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔کائنات کی ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیلی کے دوران ایک مرحلہ ایسا بھی آئے گا جو بہت اعلیٰ مکاں (Super Space) ہوگا۔وہ ایک مطلق، لامحدود جہات کا حامی مکاں ہوگا''۔

الغرض، تخلیق کائنات کے متعلق سائنس کے جتنے بھی نظریات وقتاً فوقتاً منظر عام پر آئے ان میں غلطی کا امکان ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، لیکن تخلیق کائنات کا جو نظریہ قرآن مجید نے پیش کیا، وہی نظریہ اٹل، ابدی اور غلطی سے مبرا اور منزا ہے اور مزید یہ کہ دوسری کائنات کس نقطے پر وقوع پذیر ہوگی؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید میں پہلے سے موجود ہے اور یہ اللہ ربّ العزت کا وعدہ ہے جس کا ایفاء اس ذات باری تعالیٰ نے خود پر لازم قرار دیا ہے۔واللہ اعلم

قصۂ جدید و قدیم

1

ڈاکٹر محمد رشید ارشد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلاَۃُ وَ السَّلاَمُ عَلٰی اَشْرَفِ خَلْقِ اللّٰہِ وَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ماضی قریب میں مغربی اقوام، مسلم اُمت کے بہت بڑے علاقے پر قابض ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان محکوم اقوام کی زبان، ان کا دین، ان کی تہذیب اور رسم و رواج کو جانیں۔ استعماریت و سامراجیت کے نتیجے میں ایک پورا ڈسپلن پیدا ہوا جس کو استشراق یا Orientalism کہتے ہیں۔ ممکن ہے کچھ لوگوں نے علم کے فطری اقتضا سے بھی یہ کام کیا ہو لیکن اب یہ بات بہت حد تک واضح ہو چکی ہے کہ استشراق بنیادی طور پر ملوکیت کا ایک بڑا آلہ کار تھا۔ ایڈورڈ سعید نامی ایک عیسائی عرب نے اس بات کو مستند شواہد اور دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ تو اسی طرح اب اہل دین کے یہاں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طریقے سے ان لوگوں نے ہمارا مطالعہ کیا اب ہمیں مغرب کو سمجھنا چاہیے۔ مغرب اور اہل مغرب کی تہذب وتمدن اور ان کے افکار کو سمجھیں اور استشراق کے مقابلے میں Occidentalism یعنی استغراب کا بھی ایک ڈسپلن قائم کریں۔

ابتداءً مغرب ایک جغرافیہ تھا لیکن اب وہ کسی ملکی حدود یا جغرافیے کے بجائے ایک world view اور ایک مہا بیانیہ ہے جس کا اثر سب پر ہے اور کوئی اس سے بچا ہوا نہیں ہے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب علیہ الرحمہ کا ایک کتابچہ ہے ''اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور کرنے کا اصل کام''۔اس کا پہلا عنوان ہی ڈاکٹر صاحب یہ باندھتے ہیں کہ ''فکرِ مغرب کا ہمہ گیر استیلا''یعنی اس وقت دنیا میں ایک فکر پوری طرح غالب ہے اور اگرچہ اس فکر کی جائے پیدائش مغرب ہے، لیکن اب وہ عالمی ہے۔لہٰذا اب اگر مغرب کی بات کی جائے تو وہ کسی جغرافیے کا بیان نہیں ہو رہا ہوتا یا بالفاظِ دیگر، اب مغرب ہمارا غیر نہیں رہا بلکہ ایک طرزِ فکر، ایک طرزِ احساس اور زندگی گزارنے کا وہ ڈھب ہے جو مسلم اُمت کے اندر اپنی جگہ بنا چکا ہے۔مغرب کے زیر اثر، قدیم اور روایتی تہذیب کے بالمقابل ایک نئی تہذیب پیدا ہو چکی ہے۔اس تہذیبی تفاوت کو بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال نے اس کو قصہ جدید وقدیم سے تعبیر کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ

؎ زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

بعض اوقات ان معاملات پر غور کرتے ہوئے آدمی اُلجھ جاتا ہے کہ جب ایک ہی زمانہ، ایک ہی حیات اور ایک ہی کائنات ہے تو یہ جدید وقدیم میں اس قدر فرق کیوں ہے، ایسے میں وہ اپنے آپ کو بہت تنگ جگہ پر لے جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔اس حوالے سے علامہ اقبال ہی نے ایک اہم بات کہی ہے:

؎ مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

تو تہذیبِ نو کی رات کو سحر کرنے کے لیے اس رات اور اس کے باسیوں کی جانکاری ضروری ہے۔عالم کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ:اَن یَّکُوْنَ عَارِفًا بِزَمَانِہٖ ''اپنے زمانے کی معرفت اور سمجھ بوجھ رکھتا ہو''۔ ہر زمانے میں اللہ کی بندگی میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو سمجھتا ہو، دنیا میں غالب افکار سے واقف ہو، ہر دور کے انسانوں کے میلانات اور مزاجوں سے واقف ہو، ان کی سوچ اور فکر سے بخوبی واقف ہو۔لیکن اس واقفیت، تحقیق یا تقابل میں، دین رحمت کو ماننے والا ہونے کے ناتے اور رحمتہ للعالمین ﷺ کا اُمتی ہونے کے بسبب کسی طرح کا کوئی تعصب، نفرت اور انتقام کا جذبہ شامل نہیں ہونا چاہیے۔مغربی اقوام سے کسی قسم کی

عصبیت رکھنا اس لحاظ سے محل نظر ہے کہ آخری دین، آخری وحی اور حقیقی دین کے وارثین کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ چونکہ ان کے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ حالت میں موجود ہے لہٰذا انھیں داعی بننا ہے اور سب کو دعوت دینی ہے۔ علماے دین کی اصطلاح میں ایک اُمتِ دعوت ہوتی ہے اور ایک اُمتِ اجابت ہوتی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کے خاتمے تک سارا عرصہ اُمت محمدیہ کا ہے اور تمام انسان مندرجہ بالا تقسیم کے مطابق امت محمدی کا حصہ ہیں۔ امت مسلمہ خوش قسمتی سے امت اجابت ہے اور جو ابھی اس امت کے دائرے میں نہیں ہیں وہ سب امتِ دعوت ہیں یعنی potentially اُمت ہی میں ہیں، ان کے اندر یہ استعداد ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں اور ان کا حق ہے کہ ان کو دعوت دی جائے۔ جو لوگ اسلام کی دعوت قبول کر کے امت اجابت بن چکے ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت دعوت تک اسلام کی دعوت پہنچائیں، نہ یہ کہ کسی قسم کا anti-ism پال لیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مغرب اور اس کی جدیدیت کو سمجھا جائے۔ اس ذمے داری کے احساس کے تحت جو تقابل کیا جائے گا اسی سے کسی مثبت تبدیلی کی امید کی جاسکتی ہے۔

جدیدیت یا Modernity ایک اصطلاح ہے۔ ایک لحاظ سے جدید کی اصطلاح relative ہے، مثلاً، دوسری صدی ہجری، پہلی صدی ہجری کی نسبت جدید ہے اور چوتھی تیسری کی نسبت جدید ہے، لیکن یہاں جدید ان معنوں میں نہیں ہے بلکہ یہ پورا thesis ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی سے پہلے پوری دنیا کی تہذیبوں میں یہ قدر مشترک تھی کہ وہ تہذیبیں metaphysical یا مابعد الطبیعاتی تھیں۔ ان کے یہاں حقیقت کا یہ تصور پایا جاتا تھا کہ حواسِ خمسہ سے محسوس نہ کی جانے والی چیزیں، حواسِ خمسہ سے محسوس کی جانے والی چیزوں سے زیادہ حقیقی ہیں۔ ہندوازم، عیسائیت، یہودیت، taoism، کنفیوشش یہی سبق دہراتے ہیں کہ اہم چیز صرف مادہ نہیں بلکہ روح ہے۔ یہ عالم بھی اپنی جگہ اہم ہے لیکن اُس عالم سے کہیں کم۔ ایں جہاں اتنا اہم نہیں ہے جتنا آں جہاں ہے۔ یہ ایک بنیادی مفروضہ تھا کہ ٹھوس کے بجائے abstract پر توجہ زیادہ تھی۔

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا کتابچے میں یہ بات واضح کی ہے کہ جدیدیت کا

اثر ایک لمبے عرصے میں اس قدر ہمہ گیر ہوا ہے اور یہ تبدیلی رونما ہوئی ہے جس میں روایتی تہذیبوں اور جدید تہذیب میں فرق سامنے آیا ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی سے اٹھارھویں صدی تک آتے آتے ایک bifurcation کا عمل سامنے آیا یعنی اٹھارھویں صدی سے پہلے قدیم آدمی کے آثار ہمیں ملتے ہیں لیکن اٹھارھویں صدی کے بعد گویا جدیدیت پوری آب وتاب کے ساتھ سامنے آ گئی اور پوری طرح all encompassing discourse بن گئی۔ اس تبدیلی میں بہت سے تاریخی پڑاؤ ہیں جن کے نام مستحضر رہنے کے لیے مندرجہ ذیل ذکر کیے جاتے ہیں:

- ☆ Renaissance جس کو نشاۃِ ثانیہ اور احیاے علوم بھی کہتے ہیں۔
- ☆ Scientific revolution یا سائنسی انقلاب
- ☆ Protestant reformation
- ☆ Enlightenment یا تحریکِ تنویر
- ☆ Industrial revolution یا صنعتی انقلاب
- ☆ French revolution یا فرانسیسی انقلاب

یہ تبدیلی کئی صدیوں کے دوران جا کر آئی جس کے نتیجے میں روح کے بجائے جسم پر توجہ ہوگئی، خدا کے بجائے کائنات اور حیاتِ اُخروی کے بجائے حیاتِ دنیوی مرکز توجہ ٹھہری۔ خدا، روح اور آخرت کے بالمقابل کائنات، انسان کا جسم اور دنیا کی زندگی حاضر وموجود ہے اور اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ تبدیلیاں اور نکتہ توجہ کا ہٹنا، کافروں اور دہریوں کے ساتھ ساتھ کم یا زیادہ ہم سب میں سرایت کر چکا ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے میں نے اپنے آپ کو ان ساری تبدیلیوں کی زد سے بچا لیا ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ درست بات یہ ہے کہ تبدیلی آئی ہے اور انسان اتنا تبدیل ہوا ہے کہ قدیم کے مقابلے میں جدید انسان بہت کچھ مختلف ہے۔

اب ہم قدیم وجدید کا موازنہ کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ موازنہ سیّد خالد جامعی صاحب کی ایک تالیف سے بیان کیا جائے گا جو انھوں نے مختلف تحریروں سے مرتب کی ہے۔ انھوں نے اس کا عنوان قائم کیا تھا ''جدید انسان اٹھارھویں صدی سے قبل اور جدید انسان اٹھارھویں صدی کے بعد یعنی قصہ جدید وقدیم یا قصہ غرب وشرق (east & west) کا بیان''۔

انسان اور خدائی کا دعویٰ

''ہر تہذیب کا انسان کسی نہ کسی بالاتر اور برتر اعلیٰ ہستی کی پرستش کرتا تھا اب انسان خود اپنی پرستش کرنے لگا ہے''۔

روایتی انسان خود سے خارج کسی ہستی کو عقیدت، احترام اور ستائش کا مرکز مانتا تھا، اب وہ اس کی اپنی ذات بن گئی ہے، یعنی پہلے لوگ خدا پرست تھے اب خود پرست ہیں اور اپنے آپ کو پوج رہے ہیں۔ ایک جدید اسرائیلی تاریخ دان Yuval Noah Harari نے 'Homo Deus' نامی ایک کتاب لکھی ہے۔ Homo Deus کا مطلب ہے Man God یعنی انسانیت کا اگلا مرحلہ خدائی کا دعویٰ کرنا ہے۔ انسان پہلے ایک APE سے Homo Sapien بنا، پھر وہ Man the Wise اور اب گویا وہ خدا بننا چاہتا ہے۔ تمام وہ صفات اور قدرت وطاقت جو خدا کے ساتھ وابستہ کی جاتی تھی اب انسان اپنی زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ وہ میری گرفت میں ہیں اور میں آہستہ آہستہ وہ مرتبہ حاصل کرلوں گا۔ جدید آدمی یہ سمجھتا ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہ کرسکتا ہے اور اس کے رستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے نیز جو وہ ارادہ کرلیتا ہے وہ کرگزرتا ہے۔ ان صفات کے ساتھ اصلاً خدا کی ذات متصف ہے کہ وہ ''**علیٰ کل شی قدیر**'' اور ''**یفعل ما یشاء**''، جیسی قدرت رکھتی ہے۔ آج کے انسان کے بارے میں یہ گفتگو اور انداز کلام اس بات کا پتا دے رہی ہے کہ انسان اپنی دانست میں وہ مقام حاصل کرتا جارہا ہے۔

تصوراتِ علم میں تبدیلی

قدیم وجدید کے تقابل کا ایک میدان علم ہے۔ چودھویں یا پندرھویں صدی عیسوی سے پہلے پوری دنیا میں یہ تصور تھا کہ علم کا ماخذ مجھ سے باہر ہے۔ جس کی صورت خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی اور پیغمبر ہیں یا صورتاً کوئی چرچ کا ادارہ ہے۔ اب انسان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ علم کے معاملے میں خود مکتفی ہے اور اس کی عقل اور حواس بنیادی طور پر علم فراہم کریں گے۔

مغربی تاریخ فکر کا ایک بڑا آدمی پیدا ہوا جس کا نام رینے دیکارت تھا، اس نے یہ بات کہی کہ انسان کا سارا علم اس کے self اور اس کے ins سے پھوٹتا ہے۔ اس کے نزدیک عقل

بنیادی طور پر reason ہے، ایک دوسرا مکتبِ فکر اٹھا جس نے reason کا ماخذ حواس کو ٹھہرایا۔ اس طرح دو مکتب فکر وجود میں آئے، ایک Rationalism اور دوسرا Empiricism کا مکتب فکر۔ اس کے بعد ایمانول کانٹ آیا جس نے آ کر دونوں باتوں میں تطبیق کر دی اور کہا کہ دونوں چیزیں اہم ہیں۔ اس کے مطابق علم کا آغاز، خارج یا حواس سے ہوتا ہے اور اس کا ڈیٹا باہر سے آتا ہے لیکن علم کی تکمیل انسان کے ذہن میں ہوتی ہے۔ آج یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ حواس کا کام یافت ہے اور عقل کا کام شناخت ہے یعنی حواس ڈیٹا acquire کرتا ہے اور اس پر cognition کا عمل ذہن میں ہوتا ہے۔ اب معرض بحث یہ ہے کہ Rationalism کی اہمیت زیادہ ہے یا Empiricism کی، وحی بہرحال اب خارجِ گفتگو ہو چکی ہے۔ اگر کوئی انفرادیت میں وحی کو ماننا چاہے تو اس کی مرضی ہے لیکن جس کو علم یا knowledge کہتے ہیں اس کا کوئی لینا دینا کسی آسمانی وحی سے یا کسی مذہبی روایت سے نہیں ہے۔ اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ یونیورسٹی میں پڑھنے والا طالب علم چاہے وہ سوشل سائنسز پڑھے یا نیچرل سائنسز، اس میں کہیں پر خدا، مذہب یا کسی آسمانی روایت کا تذکرہ نہیں ملتا۔ بقول علامہ اقبال:

عشق کی تیغِ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

مراد یہ ہے کہ وہ تلوار نکل گئی ہے اور نیام خالی رہ گئی ہے اور گویا علم کا تعلق وحی اور روایت کے بجائے انسان کے حواس اور عقل سے ہو چکا ہے۔

انسان علم کے لیے خارج کا محتاج تھا۔ انسان علم کے لیے کسی خارج کا نہیں، صرف داخل کا، عقلیت کا محتاج ہے۔

یہ دوسرے نکتے ہی کی وضاحت ہے کہ اب علم باہر کہیں سے نہیں بلکہ خود سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کا اصل اختیار انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور اس کی عقل سے علم کی تشکیل ہوتی ہے۔

پہلے کائنات 'خدا مرکز' تھی اب کائنات 'انسان مرکز' ہو گئی ہے۔ یعنی پہلے کائنات God Centered یا Theo-centric تھی، اب Man Centered یا

Anthropo-centric ہے۔یعنی پہلے ہر چیز خدا کے تناظر میں دیکھی جاتی تھی اور خدا کی نشانی تھی، اب ہر چیز انسانی تناظر سے دیکھی جاتی ہے۔پچھلے زمانوں میں اگر کوئی بیماری یا وبا آجائے، زلزلہ یا قحط آجائے تو یہی خیال ہوتا تھا کہ ہم سے ایسے گناہ سرزد ہوئے ہیں جس کی وجہ سے خدا ناراض ہوگیا ہے اور اس نے یہ وبا بھیج دی یا زلزلہ لے آیا۔اب ان معاملات کی طرف کوئی التفات ہی نہیں ہے کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ زلزلہ آنے کی وجہ زمین کی plates بتا دی جاتی ہیں۔طاعون کے پھیلنے کی وجہ خاص طرح کے وائرس کے ساتھ جوڑ کر سارا تناظر تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ہر چیز انسانی نقطۂ نظر سے define ہو رہی ہے۔سوشل سائنسز اور ہیومن سائنسز کا آغاز بھی یہیں سے ہوا کہ اب خارج کی کمک نہ ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اب انسانیت کو پیش آنے والے مسائل کا تجزیہ اور ان کا حل بھی ہمیں خود کرنا ہے۔خدا کی ذات کو روزمرہ کی زندگی سے کاٹ کر ایک ایسی ہستی تصور کر لیا گیا ہے جو محض آسمان پر بیٹھی ہے۔اگر خدا کا کوئی تصور باقی ہے تو اس کا بھی ہم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔وہ ایک alienated God ہے وہ ایک absent God ہے اور اس کائنات کا سارا نظم کچھ خاص قوانین اور نوامیس کے تحت خودکار طریقے سے چل رہا ہے۔

علم کا حقیقت الحقائق سے کٹنا اور سرمائے سے جڑ جانا

روایتی یا قدیم تہذیب میں اصل علم؛ حقیقت الحقائق کا علم تھا۔اصل علم سرمائے میں اضافے کا علم قرار پایا۔

حقیقت الحقائق سے مراد خدا ہے۔اس کے نام مختلف روایتوں میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ارسطو کے نزدیک سب سے بڑھیا علم meditation on the real ہے ''حقیقت پر غور و فکر کرنا اور اس کا مراقبہ کرنا'' حقیقت سے مراد یہی ہے کہ وہ جو اس کائنات میں نہیں ہے، حقیقت کا تصور ہی یہ ہے کہ وہ کائنات سے ماورا ہے اور وہ حقیقت مادی ہوتی ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت تو روحانی اور غیر مرئی ہوتی ہے۔سب سے بڑی حقیقت خدا ہے اور سب سے بڑا علم خدا کا علم ہے، اس کے نام مختلف روایتوں کے حساب سے The real، The ultimate، برہمہ، پرم آتما ہو سکتے ہیں۔پرم آتما یعنی جو سب سے بڑی روح ہے۔ان سب کے یہاں الفاظ مختلف

ہیں لیکن سب میں بات یہی ہے کہ اصل علم تو اس حقیقت سے ہی منسلک ہے۔ جدید دور میں یہ ہوا کہ اب اصل علم وہ ہے جو سرمائے میں اضافے کا سبب بنے اور جو علم سرمائے میں اضافے کا سبب نہیں بن رہا وہ علم بے کار ہے۔ آج انسانی علاج کے لیے طلبہ اگر پڑھنا چاہیں تو ان کے ذہن میں MBBS، BDS آئے گا نہ کہ طب یا حکیم کورس۔ طب کے علم کی چونکہ مارکیٹ ویلیو نہیں ہے تو اب وہ علم discrete ہو گیا۔

سیّد خالد جامعی صاحب نے بڑی اچھی مثال دی ہے کہ علماء کی تنخواہ اتنی کم کیوں ہے؟ اس میں بیان ہی یہ کیا گیا ہے کہ اگر ایک عالم دین ہے جس نے دین پڑھا اور اس کے بعد تیس سال اس نے حدیث پڑھائی اور شیخ الحدیث بننے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کا مصنف بھی ٹھہرا جس میں کوئی شرحِ حدیث بھی شامل ہوگی، اس سب کے باوجود اس کی زیادہ سے زیادہ تنخواہ بیس پچیس ہزار روپے ہوگی، یہی صاحب اگر ایم اے اور پی ایچ ڈی کر لیں اور اسسٹنٹ پروفیسر بھرتی ہو جائیں تو ان کی ابتدائی تنخواہ ڈیڑھ لاکھ سے شروع ہوگی۔ یہ تفاوت اسی لیے ہے کہ مدرسے Capital میں کوئی خاص contribute نہیں کر رہے ہوتے۔ اسی وجہ سے یہ عمومی صدائیں سنائی دیتی ہیں کہ مولوی کی ورتھ کیا ہے یا انھوں نے جی ڈی پی، جی این پی اور ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکس میں کیا contribution دیا ہے؟ گویا ہر علم کی worth اس سے ہے کہ یہ کیا بیچتے ہیں؟ اس کا حاصل کیا ہے؟ سماج کو اس کا فائدہ کیا ہے؟

مابعد الطبیعیات روایتی علمیت کی جڑ ہے

روایتی تہذیب یا قدیم عہد میں مابعد الطبیعیات پہلے تھی، علمیت مابعد الطبیعیات سے نکلتی تھی۔ گویا meta physics یا ontology سے epistemology نکلتی تھی، اس سے آپ کا علم العلم نکلتا تھا۔ epistemology علم العلم ہے۔ وجود کے تصور سے تصورِ علم نکلتا ہے یا بالفاظ دیگر، علم معلوم سے worth پاتا ہے۔ اس لحاظ سے سب سے بڑھیا علم وہ ہے جس کا معلوم اللہ ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور جو علم اللہ کو اپنا موضوع بنائے وہ سب سے بڑا علم ہونا چاہیے جو کہ دین کا علم ہے۔ لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ چونکہ دین کی طرف سے رجحان کم ہوتا جا رہا ہے اور دنیا کو دیا جا رہا ہے، تو اس کے نتیجے میں علم الوجود بدل گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ علم العلم بھی

بدل چکا ہے۔ جب وجود سب سے اہم خدا کا ہے تو سب سے اہم علم خدا کی معرفت کا علم ہے اور جب دنیا یا مادہ سب کچھ ہے تو پھر اب جو دانائے نباتات ہے وہ گویا سب سے بڑا عالم ہے۔ اس علمیت سے مابعد الطبیعات نکال لی گئی لہٰذا مابعد الطبیعات کا علم علمیت کے دائرے سے باہر ہو گیا اور جہالت شمار کیا گیا۔

روایتی علمیت میں اصل ontology تھی جس سے epistemology نکلتی تھی۔ اب انھوں نے اُلٹا دیا۔ انھوں نے کہا کہ اصل علم کا علم ہے یعنی علم کیا ہے علم کے ذرائع کیا ہیں علم کیسے حاصل ہوتا ہے۔ یہاں سے بات شروع کی جائے گی۔ Kant کے مطابق حقیقت علم کی رسائی سے باہر ہے اور چونکہ Nomenon انسان کی رسائی سے باہر ہے، اس وجہ سے Phenomenon کو دیکھا جاسکتا ہے۔

قدیم انسان راہنمائی کے لیے خارج، آسمان، وحی، نبی، بڑے آدمی کی طرف دیکھتا تھا۔ کیونکہ ہر آدمی علم میں خود کفیل نہ تھا۔

پچھلے نکتے کے تسلسل میں یہ بیان مزید وضاحت کا محتاج نہیں کہ روایتی آدمی کو اس بات کا اِدراک ہوتا تھا کہ جو اللہ جانتا ہے اور وہ آدمی نہیں جانتا۔ رسول اور ان کے متبعین علمائے کرام علم سے واقف ہیں اور وہ آدمی ناواقف ہے، اولیاء اللہ کو معرفت حاصل ہے اور اسے حاصل نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں اب انسان اپنی راہنمائی کے لیے صرف اپنی طرف دیکھنے کا پابند ہوا اور تمام خارجی ذرائع علم لایعنی ٹھہرے۔

ماخذ علم میں تبدیلی

جدید عہد میں انسان، باطن کے پیغمبر کے ذریعے ذاتی علم میں خود کفیل ہو گیا اور ریاست کا علم فلاسفہ سے لینے لگا۔

موجودہ انسان آسمانی ہدایت، وحی، پیغمبر یا علما کی طرف سے بے پرواہ ہوتا جا رہا ہے حالانکہ عالم، آسمانی علم کا Custodian ہوتا ہے۔ ((اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ)) ''علماء انبیاء کے وارث ہیں''۔ روایتی معنی میں جس علم کا اعتبار تھا وہ آسمانی علم تھا جس کی وجہ سے پادری، پنڈت یا مولوی کی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ جب سے اس طرف سے التفات ہٹا اور انسان کی

توجہ اس کی اپنی ذات کی طرف مرکوز ہوگئی یا اپنے جیسے اور لوگوں پر ہوگئی جن کا علم بھی خود ان کی دریافت ہے تو گویا مذہبی پیشواوں کی اہمیت ختم ہوگئی۔ کسی انسان کی قدر اس چیز سے متعین ہوتی ہے کہ وہ کس علم کا وارث ہے اگرچہ وہ دِکھنے میں گوشت پوشت کا عام سا آدمی کیوں نہ ہو۔ ان کی جگہ اب سپیشلسٹ اور ایکسپرٹ نے لے لی ہے جو کہ اپنی ذات میں ایک Clergy ہے۔ جس طرح پہلے پادری کا Golden Robe ہوا کرتا تھا، اب اس کی جگہ سائنس دانوں کے White Robe نے لے لی ہے۔ جس آدمی نے اپنے علم کے ذرائع کو بڑھایا اور دنیا کو سمجھنے میں مہارت پیدا کی وہ آج بھی نوعی اعتبار سے بڑا آدمی ہے لیکن تقدس اور تقدیس کا پہلو ختم ہوگیا اور اب جو ذرائع ایک ماہر کے پاس ہیں وہ ایک عام آدمی کے پاس بھی ہیں، فرق اتنا ہے کہ اس کے پاس کچھ Tools زیادہ بہتر ہیں اور اس کا ذہن زیادہ تیز ہے۔

علم طبیعیات کو مابعد الطبیعیات پر ترجیح دینا

عہد قدیم میں مابعد الطبیعات کا علم اہم ترین تھا اور اب طبیعات کا علم اہم ترین ہوگیا۔ یعنی MetaPhysics اہم تھی اب Physics اہم ہے۔ اس واقعے کو بیان کرنے کے لیے metaphysics of presence کی تعبیر استعمال کی جاتی ہے۔ میٹا فزکس کا تعلق ہمیشہ absence سے ہوتا ہے۔ اس تناظر میں metaphysics of presence کی تعبیر بہت مضحکہ خیز اور مہمل ہے۔ حالانکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ میٹا فزکس ہمیشہ مابعد الطبیعی حقائق سے بحث کرتی ہے لیکن اس کو بھی presence کا معاملہ بتا دیا گیا۔

آخرت کی طرف ترکِ التفات

قدیم یا روایتی عہد میں دنیا غیر اہم جب کہ آخرت سب سے اہم تھی۔ دنیا کو انسان آخرت کی کھڑکی سے دیکھتا تھا۔ اب کیا ہوا؟ صرف دنیا اہم تر ہوگئی اور آخرت خارج ہوگئی۔ خدا ختم کر دیا گیا، مذاہب کو جہالت قرار دیا گیا۔

یہ نکتہ آغازِ مضمون میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالے سے بیان کیا گیا تھا کہ پہلے توجہ اُخروی زندگی پر تھی، اب دنیاوی زندگی پر ہے۔ دنیاوی زندگی کی اس لحاظ سے بہت اہمیت ہے کہ وہ آخرت کی کھیتی ہے، لیکن دنیا ہی کو اپنا سب کچھ بنا لینا، سجانا، بنانا، سنوارنا اور

movement کرنا زندگی کا مقصود بن جائے، یہ ایک جدید تصور ہے۔ دنیا کی حیثیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنی ذات میں ایک ذریعہ رہے،ایک mean رہے اور end نہ بنے، یعنی ع ''بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں'' کی کیفیت برقرار رہے۔ دیگر مذہبی روایات میں بھی ایسا ہی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو واضح فرمان ہے: کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ ''دنیا میں رہو گویا کہ تم اجنبی ہو، یا رستہ عبور کرنے والے ہو'' جدید دور میں آخرت اور خدا کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے جس کی وجہ واضح ہے کہ مذاہب جو خدا کی منادی کرتے ہیں، انھیں جہالت قرار دے دیا گیا اور وہ جہالت کی پوٹ ٹھہرے۔ یہی رجحان جدید پڑھے لکھے لوگوں میں بھی نظر آتا ہے کہ وہ مولوی اور مذہبی طبقے کو دنیاوی ترقی سے پیچھے رہ جانے کا سبب بتلاتے ہیں۔ یہ مثال مغربی معاشرے کو سامنے رکھ کر دی جاتی ہے کہ انھوں نے جب مذہب، مذہبی طبقات اور پاپائیت سے جان چھڑائی تو وہ دنیا میں آگے پہنچ گئے۔ اسی طرز پر اگر دنیا میں ترقی کرنی ہے تو مولویوں کے چنگل سے نکلے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ (جاری ہے)

بقیہ از یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

عالمی پیچیدہ صورتحال میں ترکی میں اسلام پسندوں کی کامیابی ایک مثبت خبر ہے۔

7 امریکہ میں قید پاکستانی ڈاکٹر عافیہ سے ان کی بہن کی ملاقات

ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے امریکہ میں قید اپنی بہن سے 20 سال بعد ملاقات کی ہے۔ یہ ملاقات مئی کے اواخر میں امریکی شہر ٹیکساس میں ہوئی۔ جماعت اسلامی پاکستان کے سینیٹر مشتاق صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے اور دوسری ملاقات میں شریک ہوئے۔ ڈاکٹر عافیہ کو پاکستان کے شہر کراچی سے زبردستی اغوا کر کے 2003ء میں امریکہ کے حوالے کیا گیا تھا۔ پھر 2010ء میں امریکہ کی عدالت نے 86 سال کی قید کی سزا دی تھی۔ عافیہ صدیقی کی قید پاکستان کی ذلت اور امریکہ کے جبر و استبداد کی علامت ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ اس معاملے کو بھرپور طریقے سے اٹھائے اور کسی معاہدے کے ذریعے ان کو پاکستان واپس لائے۔

پاکستان میں نفاذِ دین اسلام سے اعراض اور ریمونٹ کنٹرول مغربی جمہوریت کا انجام

ابوفیصل محمد منظور انور

پاکستان میں مغربی جمہوریت کا نظام اپنا کر ہم لادینیت پر مبنی نام نہاد مہذب مغربی معاشرے کی مادر پدر آزاد سوسائٹی کی تقلید میں گرتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ اپنی اسلامی شناخت کیا اپنی اصلیت کو ہی بھول چکے ہیں۔ 'کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی ہی بھول گیا' کے مصداق ہم اسلامی اقدار کے امین بن کر دین اسلام کے مطابق مسلم معاشرے کی تشکیل دے سکے اور نہ ہی مغربی جمہوریت کو اس کے طے شدہ اصولوں کے مطابق اپنا سکے۔ بلکہ آدھا تیتر آدھا بٹیر کے مصداق، آئین پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کا ٹچ دے کر بھی سارے غیر اسلامی قوانین اپنا چکے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں سیاسی پارٹیوں کی شکست وریخت کی کہانیاں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دیکھنے کو تو من جملہ سیاسی جماعتیں جمہوریت جمہوریت کی رٹ لگاتی اور تواتر کے ساتھ جمہوری راگ الاپتی نظر آتی ہیں مگر کسی بھی سیاسی جماعت کے اندر جمہوریت رائج نہیں ہے۔ بلکہ جمہوریت کے نام پر بادشاہت قائم ہے جہاں وراثتی طور پر چند خاندان اور شخصیات ملکی اقتدار پر قابض چلے آرہے ہیں۔ اس وقت بڑی سیاسی پارٹیوں میں جمہوریت نام کی کو چیز نہیں بلکہ وراثت کی طرح عہدے تقسیم کیے جا چکے ہیں اور پارٹیوں کو ذاتی ملکیت سمجھ کر چلاتے ہیں۔ ان کے خاندان کے افراد میں سے باپ کی جگہ بیٹے اور بھائی کے علاوہ دوسرا کوئی اعلیٰ عہدیدار بن ہی نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ ہی روایتی جاگیردار وڈیرے جو یونینیسٹ پارٹی کے کل پرزے تھے اور

انگریزی سرکار کی خدمات سرانجام دینے کے بدلے خلعتیں اور جاگیریں لینے میں پیش پیش رہے تھے، یہی عناصر اور ان کی اولادیں ہی سات عشروں سے ملکی اقتدار پر قابض چلے آرہے ہیں۔ ملک جائے بھاڑ میں۔ ان کی ہوس زر اور ہوس اقتدار میں کمی کی بجائے روز افزوں اضافہ ہی نظر آتا ہے۔ ملک میں آئین اور قانون کی بجائے ان شخصیات کی ہی حکمرانی نظر آتی ہے۔ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' اور جنگل کا قانون نافذ ہے۔ گزشتہ 75 سالوں سے بلی چوہے کا کھیل جاری ہے۔ پارٹیاں اور چغے بدل بدل کر اور لوٹے بن کر وہی عناصر ہی ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بن کر کروڑوں عوام کی قسمت کے فیصلے کرتے ہیں۔ وطن عزیز ایٹمی قوت تو بن گیا مگر اس کی عالمی سطح پر کوئی عزت یا رائے کی کوئی اہمیت نہ ہے بلکہ اس کی سلامتی کو خطرات درپیش ہیں۔ دنیا میں اربوں کھربوں کے مقروض ملک، جس کے سر پر ڈیفالٹ ہونے کے خطرے کی تلوار لٹک رہی ہوئی ہو، بھلا اس کی عزت کیا ہوگی؟ جس ملک کو مشکل حالات میں اپنے دوست مسلم ممالک بھی سہارا دینے سے اجتناب کرنے لگیں۔۔ دہشت گردی کے خلاف نئی جنگ کا آغاز، ایف اے ٹی ایف کے قوانین ہوں یا آئی ایم ایف کے سامنے چند ٹکوں کیلئے کاسۂ گدائی لئے حکمرانوں کے عالمی اداروں کے سامنے سربسجود ہونے سے ہماری قومی غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ نئے مالی سال 2023ء 2024ء کا اربوں کھربوں کا خسارے کا بجٹ دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ معلوم نہیں یہ الفاظ کا گورکھ دھندہ کیسے ترتیب دیا گیا ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے قومی اسمبلی میں بجٹ تقریر میں ملک کی 70/80 فیصد آبادی کی ترجمانی کرتے ہوئے ٹیکس نادہندگی میں ملوث اہم شخصیات اور کاروباری افراد کا پردہ چاک کیا اور انکشاف کیا کہ ریونیو کلیکشن میں ہزاروں ارب روپوں کا ٹیکس، صرف ریٹیل ٹیکس سیکٹر میں جی ایس ٹی اور جنرل سیلز ٹیکس میں 2880 ارب کا ٹیکس، رئیل اسٹیٹ میں 500 ارب روپے کا ٹیکس، جس میں ایسی بااثر شخصیات ملوث ہیں جن کا کوئی نام ہی نہیں لے سکتا، ٹوبیکو کمپنیاں 240 ارب جن کے کچھ لوگ پارلیمنٹ میں بیٹھے ہیں، آٹو لبریکنٹ میں 56 ارب، چائے کمپنیاں 45 ارب روپے، اسٹیل سیکٹر 30 ارب روپے فارماسیٹیکل 65 ارب، یارن میں تقریباً 222 ارب کی ٹیکس چوری، کئی وائس چانسلرز یونیورسٹیز عدالتی حکم پر بیٹھے فنڈز کھا رہے ہیں اور اب ارب پتی بن چکے ہیں۔ دو ادارے 2 ہزار ارب روپے کے مقروض ہیں۔ جبکہ

بیمار اداروں میں بیٹھے ایک ایک شخص کی تنخواہ 35 لاکھ روپے تک ہے۔ ہر غربت ختم کرنے کا دعویدار شخص پہلے اپنی غربت ختم کرتا ہے۔ قوم کا ایک ایک بال قرضوں ڈوبا ہوا ہے مگر یہاں امیر طبقات کی چوری بچانے کیلئے قوانین سازی کی جاتی ہے جبکہ معمولی جرائم دس بیس ہزار روپے کا ملزم جیلوں میں گل سڑ جاتا ہے۔ اسمگلنگ کا مال بڑے بڑے ٹریڈرز کے سٹورز پر بکتا ہے۔ ان ہوش ربا انکشافات کے بعد تو ہمارے بوسیدہ نظام پر "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ اشرافیہ کے عاقبت نا اندیش لوگ ملکی اقتدار پر قابض ہو کر کیا کیا گُل کھلا رہے ہیں۔ ناجائز ذرائع سے دولت کے انبار لگانا اور مغرب کی تقلید میں عیش وعشرت کی زندگی گزارنا ان کا مستقل شیوہ ومنشور بن چکا ہے۔ لگتا ہے یہ زبانی کلامی مسلمان ہیں جن کا دین اسلام کے ساتھ کوئی قلبی یا روحانی تعلق نہیں بلکہ یہ بے ضمیر اور روح سے خالی مخلوق ہیں۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل　　دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ملک کے دیوالیہ ہونے کے قریب کی اطلاعات سے عام آدمی نفسیاتی مریض بن کر رہ گیا ہے۔ یہ سب کچھ ایک دو سالوں میں نہیں ہوا بلکہ اس کی وجہ قیام پاکستان سے لیکر آج تک آنے والی نا اہل حکومتیں اور بددیانت وخائن حکمران ہیں۔ جنھوں نے اقتدر میں آتے ہی ملکی وسائل لوٹ لوٹ کر بیرون ممالک بھاری جائیدادیں بنائیں اور ملک کو مقروض کر کے کنگال کر دی۔ قیام پاکستان کے بعد ابتدائی چار سال موجودہ حالات کی بہ نسبت بہت ہی اچھے تھے۔ نوزائیدہ مملکت گمبھیر مسائل کا شکار تھی مگر اس کے باوجود پہلے چار سال تک ایک ہی وزیراعظم لیاقت علی خان نے عنانِ حکومت سنبھال کر قرض لئے بغیر سرپلس بجٹ پیش کیا۔ انڈیا اور پاکستان ایک ہی دن آزاد ہوئے تھے۔ پاکستانی کرنسی انڈیا کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ نظریاتی سطح پر بھی پیش رفت ہو رہی تھی۔ ملک کی مذہبی جماعتوں نے 22 نکات پر اتفاق کر کے قوم کو ملّی یکجہتی کا قابل تحسین پیغام دیا تھا۔ مگر ایک سازش کے تحت 16 اکتوبر 1951ء کو وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا اور ملک کو گھٹا ٹوپ اندھیری وادی میں دھکیل دیا گیا۔ پھر چل سو چل حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ اگلے سات سالوں میں خواجہ ناظم الدین سے لیکر فیروز خان نون تک چھ وزیراعظم آئے اور گئے، جس پر جواہر لعل نہرو نے پھبتی کسی تھی کہ اس نے اتنے کپڑے نہیں

بدلے جتنے پاکستان کے وزیراعظم بدلے گئے۔ 1951ء تک ایک انگریز جنرل ڈگلس گریسی پاک آرمی کا چیف تھا پھر جنرل ایوب خان نے بطور آرمی چیف عہدہ سنبھال لیا۔ برطانیہ کے ایجنٹ بیوروکریٹ غلام محمد نے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر کے امریکہ میں تعینات سفیر محمد علی بوگرہ کو واشنگٹن سے بلا کر راتوں رات وزیراعظم بنا دیا جس نے پاکستان کو سیٹو سینٹو کا رکن بنوایا یہیں سے امریکی غلامی کا طوق ہمارے گلے میں پڑ گیا جو نہ جانے کب تک رہے گا۔

مسلم لیگ پاکستان کی بانی سیاسی جماعت تھی مگر آئین سازی نہ کر سکی اور 1947ء سے 1956ء تک ملک آئین کے بغیر ہی چلتا رہا اور پورے پاکستان میں عام انتخابات بھی منعقد نہ ہو سکے۔ تاہم مسلم لیگ کے بطن سے سول ملٹری بیوروکریسی کی ملی بھگت سے ایک نئی جماعت ری پبلکن پارٹی نے جنم لیا اس میں مسلم لیگ چھوڑ کر آنے والے لوگوں کی اکثریت تھی جو قافلوں کی شکل میں راتوں رات اس میں شامل ہو گئے تھے۔ ملک پر قابض مافیا نے چاروں صوبے ختم کر کے ون یونٹ قائم کر دیا۔ 1956ء میں آئین تو بن گیا مگر سیاسی استحکام نہ آ سکا اور اس آئین کے خالق چوہدری محمد علی کی حکومت کو بھی ختم کر دیا گیا اس کے بعد حسین شہید سہروردی۔ آئی آئی چندریگر اور فیروز خان نون وزیراعظم بنے مگر ان کو بھی جلدی چلتا کیا گیا۔ اکتوبر 1958ء میں مارشل لا لگا کر اقتدار پر قابض جنرل ایوب خان کو اقتدار کو برقرار رکھنے اور طول دینے کیلئے سیاست دان درکار تھے۔ اس نے پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے سر پر دست شفقت رکھ کر حمایت حاصل کر کے کنونشن مسلم لیگ کے نام سے نئی جماعت تشکیل پائی۔ یہ سب کچھ جنرل ایوب خان کے اقتدار کو قانونی لبادہ اوڑھا کر اقتدار کو طول دینے کی کوشش تھی۔ اس جماعت کے جنرل سیکرٹری جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جو جنرل ایوب خان کو ڈیڈی کہا کرتے تھے، نے ایک دلچسپ تجویز دی تھی کہ ہر ضلع کا ڈپٹی کمشنر کنونشن مسلم لیگ کا صدر اور ایس پی جنرل سیکرٹری ہوگا۔ جنرل ایوب خان نے بنیادی جمہوریت کے تجربہ کے ذریعے ملک پر طویل عرصہ تک حکومت کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تاہم 1969ء میں ایک زبردست احتجاجی تحریک کے نتیجے میں اسے اقتدار سے محروم ہونا پڑا اور کنونشن مسلم لیگ کا خاتمہ ہوا۔ 1970ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں مغربی پاکستان میں پی پی پی کے ذوالفقار علی بھٹو نے اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کے شیخ مجیب الرحمٰن نے اکثریت حاصل کی

مگر اکثریتی پارٹی کو اقتدار نہ دیا گیا نتیجے میں سانحہ مشرقی پاکستان ہوا اور ملک دولخت ہو گیا اور بنگلہ دیش بن گیا۔ 'ادھر تم ادھر ہم' کا نعرہ لگانے والے ذوالفقار علی بھٹو کو باقی ماندہ مغربی پاکستان کا سویلین چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر کے اقتدار اس کے سپرد کر دیا گیا۔ جس کے خلاف پاکستان قومی اتحاد PNA کے نام سے نظام مصطفٰے کے نفاذ کی تحریک چلی اور اسے اقتدار سے سبکدوش ہونا پڑا۔ جولائی 1977ء میں جنرل ضیاء الحق نے مارشل لا لگایا اور نظام مصطفٰے کے نفاذ کے نام پر گیارہ سال اقتدار میں رہا تاوقتیکہ اگست 1988ء میں بہاولپور میں ایک فضائی حادثے میں جاں بحق ہوا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں ایم کیو ایم اور ایک مذہبی سیاسی جماعت سپاہ صحابہ پاکستان بنائی گئیں۔ ایک وقت میں ان دونوں جماعتوں کو عوامی حمایت بھی ملی اور یہ طاقتور دکھائی دیں اور اقتدار میں حصہ دار رہیں۔ اول الذکر ایک لسانی جماعت اور دوسری مذہبی فرقہ کی بنیاد پر تشکیل پائیں۔ چونکہ فوجی جرنیل کی پیداوار تھیں لہٰذا اندرونی اختلافات کے باعث آج کل غیر مقبول اور غیر موثر ہو چکی ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں مسلم لیگ جونیجو بنائی گئی اور ہٹائی گئی اور پھر نواز لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ میاں نواز شریف کی قیادت میں یہ جماعت مقبول ہوئی اور پیپلز پارٹی کو پچھاڑتی ہوئی مقبول ترین جماعت بن گئی تاہم ایک معاہدے کے نتیجے میں سعودی عرب جانا اور پھر علاج کے بہانے لندن جا کر بیٹھ جانا ان کی مقبولیت میں کمی کا باعث بنا اگر نواز شریف اپنے پر لگائے گئے کرپشن کے الزامات کا سامنا کرتے اور طاقتوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور ملک نہ چھوڑتے تو پہلے سے زیادہ مقبول ہوتے۔ یہ جماعت ابھی تک کچھ حلقوں میں مقبول ہے اور میاں صاحب کے بھائی شہباز شریف پی ڈی ایم کی اتحادی جماعتوں کے وزیر اعظم ہیں۔ جنرل مشرف نے مسلم لیگ ن سے مسلم لیگ ق نکالی جس کے سینکڑوں منتخب نامور ممبران اسمبلی نواز لیگ سے الگ ہو کر راتوں رات ق لیگ میں شامل ہو گئے اور اس طرح ق لیگ بھی کچھ عرصہ اقتدار میں رہی آج کل بیساکھیوں کے سہارے موجود ہے۔ 2018ء میں عمران خان وزیر اعظم بن گئے۔ عالمی سطح پر پاکستان اور اسلام کے حوالے سے پر جوش نظر آئے۔ ساڑھے تین سال تک حکومت میں رہے بالآخر طاقتوروں نے چلتا کیا اور اقتدار پر تیرہ جماعتی اتحادی پی ڈی ایم کی حکومت بنائی گئی جن کے پاس بلکہ سابقہ ادوار میں ایک دوسرے کے خلاف قائم کرپشن کے

مقدمات کے خاتمے کے علاوہ اور کوئی قومی ایجنڈہ ہی نہیں ہے۔اور جو ایک دوسرے پر کرپشن کے سنگین الزامات لگا کر ان کے خلاف نیب میں کیسز بناتے اور ایک دوسرے کو سڑکوں پر گھسیٹ کر نشان عبرت بنانے کی باتیں کرتے تھے وہ وقتی اقتدار کیلئے آپس میں شیر وشکر ہیں۔لیلائے اقتدار کی منزل کے علاوہ ان میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے بلکہ اتحادی حکومت کی گزشتہ چودہ ماہ کی کارکردگی انتہائی مایوس کن رہی ہے۔گزشتہ پچھتّر سالوں میں حصول اقتدار کیلئے سیاست دانوں کی قلابازیوں سے عیاں ہوتا ہے کہ عوامی خدمت کے دعویدار اور جمہوریت کے چمپئین سیاسی عناصر میں اخلاقیات کا فقدان اور یہ قوم کی قیادت کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔کاش ہمارے ملک میں مغربی جمہوریت کی بجائے نظام اسلام نافذ ہوتا اور ملک چلانے والوں کا کوئی اپنا اخلاقی معیار اور جواز ہوتا۔وطن عزیز میں دولت مند امیر طبقات اور غریبوں کے لیے قانون اور انصاف کے پیمانے الگ الگ ہیں۔ باحیثیت امراء کو جیلوں کے اندر بھی ان کے گھروں جیسی وافر سہولیات میسر ہیں جبکہ غریب بے وسیلہ عام آدمی معمولی جرائم میں برسوں تک جیل کی کال کوٹھڑیوں میں گل سڑ جاتے ہیں۔ظلم کا نظام رائج ہے جس میں عوام پس رہے ہیں۔سودی نظام کو دوام حاصل ہے اور اس قدر اپنا لیا گیا ہے کہ حکومتی سطح پر تو کیا عوامی سطح پر کھل کر سود کا کاروبار ہو رہا ہے تاجر دکاندار سرمایہ دار تو کیا شعبہ زراعت سے وابستہ افراد کی اکثریت بھی سودی لین دین کی عادی ہو چکی ہے۔لگژری لائف سٹائل کے عادی عوام کی اکثریت گھر بنانے سے لیکر کے عام استعمال کی معمولی اشیاء بھی سود پر لیکر گھروں میں سجاتے اور پھر نئے نئے ماڈل کی گاڑیاں اور الیکٹرانک کی اشیاء ایک دوسرے کو دکھا دکھا کر اپنا احساس برتری جتانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔سودی معیشت نے ہماری سوسائٹی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔جدید فیشن، آوارگی، بے حیائی کو اس قدر فروغ دیا جا چکا ہے کہ اس کے خلاف آواز اٹھانیوالا ہی کوئی نہیں کیونکہ ایسا کرنے والوں کو دقیانوس، جاہل اور ان پڑھ ترقی کے دشمن ہونے کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔معاشی عدم مساوات کی وجہ سے عوام کی اکثریت ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر نفسیاتی مریض بن چکی ہے۔ نتیجے میں جرائم میں بے تحاشا اضافہ ہو چکا ہے۔ اخبارات اور مختلف چینلز سے پتہ چلتا ہے کہ نئی نسل میں اخلاقی جرائم میں خطرناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔نوجوانوں میں مغربی لائف سٹائل اپنانے کا جنون پایا جاتا ہے اور لاکھوں افراد مادی

ترقی کے خواب سجائے مغربی مما لک ک رخ کر چکے ہیں۔حال ہی میں بہتر مستقبل کی تلاش میں ملک چھوڑ کر دیارغیر جانے والے سینکڑوں پاکستانی تارکین وطن یونان کے قریب ایک کشتی ڈوبنے کے نتیجے میں ہلاک ہو چکے ہیں۔اور ایسے افسوسناک واقعات گزشتہ برسوں میں مسلسل ہوتے رہے ہیں۔کچھ عرصے سے اعلیٰ عدلیہ کے ججز کو نیچا دکھانے اوران کو دباؤ میں لانے کیلئے پارلیمنٹ میں قوانین سازی اور بیان بازی کے ذریعے عدلیہ کی تضحیک اورتوہین کی جارہی ہے جوانتہائی خطر ناک عمل ہے۔آئین پاکستان میں کے مطابق ملک کے تینوں ستون اپنے آئینی دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنے فرائض منصبی ادا کریں اور کسی بھی صورت آئین سے روگردانی نہیں ہونی چاہیے۔بلا امتیاز قانون اورانصاف تک رسائی پاکستان کے ہرشہری کا حق ہے۔مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کھلے بندوں صحافیوں،شہریوں کو اٹھا کر غائب کیا جارہا ہے۔انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہورہی ہیں۔سیاسی مخالفین کو تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔پہلے ہی آئین سے ہٹ کر فیصلے کیے جانے پر ملک کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے۔یہاں تک کہ ملک دولخت ہوگیا۔اب ملک کسی نئے سانحے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔آئین کے مطابق مقررہ مدت میں انتخابات کا راستہ روکنا اورا ٓئین سے روگردانی کرنا اورعوام کو آزادانہ حق رائے دہی سے محروم کرنا قرین انصاف نہیں۔جس کے خلاف عوام میں شدید ردعمل پایا جاتا ہے۔ملک کو افراتفری اور خانہ جنگی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں ظلم وجبر کی روایت کا خاتمہ کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق قانون اور انصاف کو مدنظر رکھ کر فیصلے کیے جائیں۔ لادینیت پرمبنی مغربی جمہوری نظام کو خیر باد کہتے ہوئے فی الفور ختم کر کے نظام دین اسلام کو نافذ کیا جائے۔اللہ تعالیٰ اس ملک میں نفاذ اسلام کیلئے کوشاں قوتوں کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔آمین۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل ﷺ وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ (ﷺ) است

عبد اللہ ابراھیم

1 پاکستان کی سیاسی صورتحال میں بہتری

9 مئی کو (دو ماہ قبل) عمران خان کو گرفتار کیا گیا اور دو دن بعد رہا کر دیا گیا تھا مگر اس دوران ان کی جماعت کی طرف سے کیے گئے احتجاج کا رخ فوج کی طرف تھا اور شاید فوج کے کچھ لوگوں کی طرف سے مشکوک طرزِ عمل نے اعلیٰ فوجی قیادت کو عمران خان کے واضح خلاف کر دیا ہے۔ احتجاج میں ملوث لوگوں کی گرفتاریوں، سختیوں اور پھر اپنی جماعت سے لاتعلقی کے اعلانات نے عمران خان کو بند گلی میں دھکیل دیا ہے اور ان کا اعتماد جو کہ رعونت کی حد تک پہنچ رہا تھا، اب مذاکرات کی دھائی دینے تک گر چکا ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ بھی مقتدرہ قوتیں ہی چلاتی دکھائی دے رہی ہیں تاہم اس سے سیاسی غیر یقینی کی صورتحال میں کمی آئی ہے۔ اگرچہ عدلیہ کا جھکاؤ ابھی بھی عمران خان کی جانب ہے تاہم بقیہ مقتدرہ قوتیں عمران خان کو غیر متعلق کرنے میں کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہیں اور اگست میں اسمبلیوں کی مدت پوری ہونے کے بعد اکتوبر نومبر میں انتخابات کی امید بندھ رہی ہے۔ ابھی اگلے چھ ماہ نگران حکومت، انتخابات اور پھر نئی حکومت کے اقتدار سنبھالنے تک حالات غیر یقینی ہی رہیں گے مگر چھ ماہ بعد سیاسی صورتحال میں بہتری کی امید بندھ گئی ہے۔

2 آئندہ مالی سال کا بجٹ اور ملکی معاشی صورتحال

پاکستان کا اگلے مالی سال کا سالانہ بجٹ 9 جون کو اسمبلی میں بحث اور منظوری کے لئے

پیش کر دیا گیا۔ پیش کیا گیا بجٹ ایک روایتی سا تھا اور اس میں کچھ ٹیکسوں کو بڑھا کر اور کچھ نئے لگا کر آمدنی کو بڑھانے کا اندازہ لگایا گیا اور پھر تنخواہیں اور ترقیاتی خرچ بڑھا کر اس کو صرف کرتا دکھایا گیا ہے اور جو مسائل خسارے کا بجٹ دینے، سود ادا کرنے اور دفاعی اخراجات سے پیدا ہوتے ہیں ان کو اسی طرح چلنے دیا گیا ہے۔ یہ ایک مشکل حالات میں الیکشن کے سال کا بجٹ ہے۔ مشکلات اس لئے بھی زیادہ ہیں کہ آئی ایم ایف نے اپنے قرض کو آہستہ آہستہ تاخیر میں ڈالا۔ نت نئی شرائط عائد کیں اور عملاً اس قرض کا ملنا ناممکن سا ہو گیا ہے۔ اسحاق ڈار صاحب جب پچھلے سال آئے تو وہ کچھ زیادہ ہی پر اعتماد تھے اور انھوں نے اپنے پیش رو مفتاح اسماعیل، جو کہ آئی ایم ایف کے سخت رویے کو بھگت رہے تھے، کی باتوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے آئی ایم ایف کی شرائط کو پورا کرنا شروع کیا اور پھر جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئے اور اب باقاعدہ کوسنے دیتے دکھائی دے رہے ہیں۔ پاکستان چونکہ روس اور چین کے کیمپ کی طرف جھک رہا ہے تو اس کا بھی آئی ایم ایف کے انکار پر اثر ہے مگر اس اندازے کی غلطی کا بار اسحاق ڈار صاحب پر بھی ہے۔

اگلے چھے ماہ مالی لحاظ سے بہت مشکل دکھائی دیتے ہیں کیونکہ آئی ایم ایف کے بغیر اور نئی حکومت کے آنے تک فیصلے ٹالے جاتے رہیں گے۔

3 کراچی میں بلدیاتی انتخابات کے بعد میئر کا انتخاب اور پی پی پی کی جیت

15 جون کو کراچی میں میئر/ناظم کراچی کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے امیدوار نے 160 کے مقابلے میں 173 ووٹ لے کر کامیابی حاصل کر لی ہے۔ 367 کے ایوان میں پی پی پی کی 155 نشستیں تھیں۔ جماعت اسلامی 130 کے ساتھ دوسرے اور پی ٹی آئی 63 نشستیں لیکر تیسرے نمبر پر تھی۔ جماعت اسلامی اور پی ٹی آئی کے اتحاد نے ان کو واضح اکثریت دلوا دی تھی تاہم پی ٹی آئی کے 33 ارکان کی غیر حاضری ان کی شکست کی وجہ بن گئی۔ بلدیاتی انتخاب کے نتائج میں جماعت اسلامی سب سے بڑی پارٹی کے طور پر سامنے آ رہی تھی مگر پیپلز پارٹی نے آزاد امیدواروں کو ساتھ ملایا۔ اپنی صوبائی اور قومی حکومت کا بھی فائدہ اٹھایا اور اس طرح وہ کامیاب ہو گئی۔ ایک موہوم اندازہ یہ ہے کہ پس پردہ پی ٹی آئی نے کچھ باتیں منوانے کے لئے اپنے لوگوں کو غیر حاضر کیا مگر کچھ ایسی باتیں اور ثبوت سامنے آئے کہ پیپلز پارٹی نے ان لوگوں کو غیر حاضر کرنے

کے لئے زبردستی کی اور مجموعی طور پر پیپلز پارٹی کے اس طرز عمل کی مذمت کی جارہی ہے۔

4 طالبان افغانستان کی جانب سے منشیات کی کاشت پر پابندی

بی بی سی نے 8 جون کو اپنے مضمون میں تسلیم کیا کہ طالبان نے منشیات کی کاشت کو بہت حد تک کم کر دیا ہے۔ دنیا میں 80 فیصد افیون روایتی طور پر افغانستان میں کاشت ہوتی ہے اور یورپ سپلائی ہونے والی ہیروئن کا 95 فیصد اسی سے بنتا ہے۔ طالبان امیر ہیبت اللہ اخوندزادہ نے اپریل 2022ء میں اس پر پابندی کا اعلان کیا اور اس سال افیون کی کاشت میں 80 سے 99 فیصد تک کمی ہوئی ہے۔ یہ صورتحال طالبان کی اسلامی شریعت سے وفاداری کو ظاہر کرتی ہے۔

5 روس سے خریدے گئے تیل کی پاکستان آمد

12 جون کو پاکستان میں روسی خام تیل کی پہلی کھیپ پہنچ گئی ہے جو کہ 45 ہزار ٹن پر مشتمل ہے۔ 50 ہزار ٹن کی اگلی کھیپ بھی ایک ہفتہ میں پہنچ جائے گی۔ یہ تیل اپریل 2023ء میں روس سے کئے گئے معاہدے کے تحت ہے۔ چونکہ یہ معاہدہ عالمی قیمتوں سے کم پر ہوا ہے اس سے امید ہے کہ پاکستان میں پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں کمی ہوگی۔ تاہم حتمی بات تبھی سامنے آئے گی جب یہ تیل پاکستان کی ریفائنری میں صاف ہوگا۔ اس کی قیمت بھی ڈالر کی بجائے یوآن میں دی گئی ہے۔ قیمتوں میں کمی سے قطع نظر، امریکی دباؤ کے باوجود روس سے تیل خریدنا ایک بڑا قدم ہے اور امید ہے کہ پاکستان آہستہ آہستہ امریکی بلاک سے نکل کر ایشائی بلاک جو کہ چین اور روس کے زیر اثر ہے میں شامل ہو جائے گا۔

6 ترکی کے انتخابات میں طیب اردگان کی حتمی کامیابی

28 مئی کو ترکی کے انتخابات کے دوسرے مرحلے میں اندازے کے مطابق 52 فیصد سے زائد ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے اور اگلے پانچ سال کے لئے صدر منتخب ہو گئے۔ اس دفعہ اپوزیشن نے بھی بھرپور مہم چلائی اور مغربی میڈیا بھی اپوزیشن کی حمایت کر رہا تھا پھر ترکی میں کمزور معاشی صورتحال اور مہنگائی بھی چل رہی ہے۔ تاہم طیب اردگان دوبارہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ ترکی کی معاشی صورتحال کو بہتر بنانا اور مہنگائی کو کنٹرول کرنا ان کے لئے اہم ہوگا۔ (باقی برصفحہ 53)

مع الصادقین

(سچے لوگوں کے ساتھ)

قرآن اکیڈمی جھنگ میں اہل علم حضرات تشریف لاتے رہتے ہیں اور اکیڈمی سے بھی اہل علم کے پاس ملاقات کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور ان نشستوں میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے اور استفادہ وافادہ کا موقع ملتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان نشستوں میں ہونے والی مفید باتوں کو افادۂ عام کے لیے رسالہ کے صفحات میں شائع کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ کہ ان کا شائع کرنا خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنے گا۔ آمین (ادارہ)

مولانا محمد انور چیمہ صاحب جھنگ کی معروف دینی شخصیت ہیں۔ جھنگ میں دینی جماعتوں کے اتحاد کے سربراہ بھی رہے ہیں اور ایگریکلچر میں ماسٹر کے ساتھ ساتھ دینی مدرسے سے بھی فارغ التحصیل ہیں، علاقہ کے معروف زمیندار بھی ہیں اور پیرانہ سالی کے باوجود دینی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ آپ کافی عرصے سے قرآن اکیڈمی جھنگ میں وقتاً فوقتاً آکر دینی کاموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں بلکہ خود بھی شریک رہتے ہیں۔ 5 جون 2023ء کو وہ قرآن اکیڈمی میں تشریف لائے۔ گفتگو میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ دجالی اور سیکولر تہذیب چھاتی جا رہی ہے اور ہم اکثر محاذوں پر مسلسل پسپائی اختیار کر رہے ہیں اور آج کل کی دینی سیاسی جماعتیں بھی سیکولر سیاسی جماعتوں کی طرح لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے دنیاوی مسائل کے حل پر ہی زور دے رہی ہیں جیسا کہ مہنگائی، بے روزگاری، سڑکوں گلیوں اور نالیوں کی تعمیر وغیرہ اور یہ دینی جماعتوں کی بڑی پسپائی ہے کہ وہ بھی دین پر دھڑلے سے بات نہیں کر رہیں۔ انہوں نے زور دیا کہ ہمیں دین سے دوری، دین کی زبوں حالی اور دین سے روگردانی اور بغاوت کو موضوع بنانا چاہئے اور اسی بنیاد پر لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہیے۔ اور محض ووٹ بنک اور لوگوں کو ہم خیال بنانے کے لئے دنیاوی مسائل کو اپنی حد سے بڑا کر کے نہیں دکھانا چاہئے۔ اللہ ہمیں ایسے مخلص لوگوں کی باتوں پر غور کرنے اور عمل میں لانے کی توفیق دے۔ آمین

فرمودۂ اقبال

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم!
عقلِ عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ مُلّا ہے، نہ زاہد، نہ حکیم!
عیشِ منزل ہے غریبانِ محبّت پہ حرام
سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم!
ہے گراں سیرِ غمِ راحلہ و زاد سے تو
کوہ و دریا سے گذر سکتے ہیں مانندِ نسیم!
مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ!
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم!

(ضربِ کلیم)

مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوُر

ان شاء اللہ

25 روزہ | قرآن فہمی کورس | کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کر سکیں۔

آغاز

05 جولائی 2023ء

بروز بدھ

نصاب

- مطالعہ قرآن حکیم
- مطالعہ حدیث رسول ﷺ
- مطالعہ تاریخ اسلام
- مطالعہ کلامِ اقبال
- عربی گرائمر
- محاضرات
- تجوید

ملک بھر کے تمام شہروں سے حضرات شرکت کر سکتے ہیں

شرکاء کیلئے قیام و طعام کا انتظام ہوگا۔ موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں۔

شرکت کے خواہشمند حضرات بذریعہ فون یا واٹس ایپ اپنا نام رجسٹر کروائیں

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861-63, 0336-6778561 (WhatsApp), 0312-6898181

Vol 17
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
JULY 2023
No 07

فکرِ فاروقیؒ

الحمدللہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ غیر نظریاتی ممالک یا سیکولر ممالک کا نظریہ، عوام اور عوامی رُجحانات (TRENDS) متعین کرتے ہیں۔ لہٰذا حکومتی سطح پر عوامی آزادی اور آزاد رویوں کا اہتمام ہی ملکی استحکام کا ضامن ہوتا ہے۔ ان ممالک میں معاشی ترقی سے وہ سہولتیں فراہم ہوتی ہیں جو عوام کو اپنے جذبات اور رجحانات کے بلاخوف وخطر اظہار کے لیے ضروری خیال کی جاسکتی ہیں۔ سیکولر ممالک میں معاشی ترقی ہی واحد ہدف ہے جو حکومتوں کے سامنے ہوتا ہے۔ آج مغربی تہذیب کی بالادستی کے دور میں ایک سیکولر نقطۂ نظر سے معاشی ترقی ہی کسی قوم کی خوشحالی، آسودگی اور کامیابی کا پیمانہ (YARD STICK) سمجھا جاتا ہے۔

جبکہ ـــــ نظریاتی ممالک میں معاشی استحکام یا معاشی ترقی کو نظریاتی استحکام کے تحت سمجھا جاتا ہے اور ایسا ہی نقطۂ نظر ایک نظریہ کی بقا و استحکام کا ضامن ہوسکتا ہے اور معاشی ترقی سمیت تمام دیگر اجتماعی و انفرادی اہداف 'ملکی و قومی نظریہ' کے تابع سمجھے جانے چاہئیں بالفاظ دیگر ـــــ معاشی ترقی سے اگر نظریاتی تشخص اور نظریہ کمزور پڑتا ہو تو ایسی ترقی نظریاتی ریاست کے لیے 'زہر' سے زیادہ خطرناک ہے۔ مفکر پاکستان علامہ اقبال نے بہت پہلے فرمایا تھا:

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ؎
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارا

اور ؎ ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

مسلمانانِ پاکستان کو معاشی استحکام کے ساتھ ساتھ یا اس سے بھی پہلے نظریاتی استحکام، نظریۂ پاکستان کی پختگی، دوقومی نظریہ کی تازگی، آبیاری اور فروغ کی ضرورت ہے۔

(حکمت بالغہ جنوری 2018ء)